دہلی

اور

اُس کے اطراف

ایک سفر نامہ اور روزنامچہ

Nadvi Book Depot
P.O. Box No. 93, Nadwatul Ulama
LUCKNOW.

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

دہلی
اور
اُس کے اطراف

ایک سفر نامہ اور روزنامچہ

مصنّف
مولانا حکیم سیّد عبدالحیٔ

مرتّبہ
صادقہ ذکی

اُردو اکادمی، دہلی

www.abulhasanalinadwi.org

سلسلۂ مطبوعاتِ اُردو اکادمی ۲۷ء

تحقیقی و اشاعتی کمیٹی کے اراکین

ڈاکٹر خلیق انجم (چیرمین)
حکیم عبدالحمید
خواجہ حسن ثانی نظامی
بیگم ریحانہ فاروقی
سید شریف الحسن نقوی (سکریٹری)

DEHLI AUR USKAY ATRAF
AIK SAFAR NAMA AUR ROZNAMCHA
WRITER : HAKIM SYED ABDUL HAI
Ed. By
DR. SADIQA ZAKI
1988 Price Rs. 25/-

سنہ اشاعت : فروری ۱۹۸۸ء
قیمت : ۲۵ روپے
بہ اہتمام : ڈاکٹر انتظار مرزا
طباعت : ثمر آفسٹ پرنٹرز، دہلی
ناشر و تقسیم کار : اُردو اکادمی، دہلی۔ گھٹا مسجد روڈ دریا گنج، نئی دہلی ۲۔
ISBN 81—7121—026—0

www.abulhasanalinadwi.org

مندرجات

		صفحہ نمبر
حرف آغاز	سید شریف الحسن نقوی (سکریٹری)	۷
پیش لفظ	ڈاکٹر خلیق انجم	۸
مقدمہ	ڈاکٹر صادقہ ذکی	۱۱
متن : دہلی اور اس کے اطراف : ایک سفرنامہ اور روزنامچہ		۳۰
اشاریہ		۱۳۱

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

حرفِ آغاز

اردو اکادمی، دہلی کی تحقیقی و اشاعتی کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ اُن کتابوں کے نئے اڈیشن شائع کیے جائیں جو دہلی کی تہذیبی اور سماجی زندگی پر بہت پہلے لکھی گئی تھیں اور جو اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں۔ ان کتابوں کی مدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اس سلسلہ میں تحقیقی و اشاعتی کمیٹی نے مختلف حضرات سے درخواست کی کہ وہ اِن کتابوں کے نئے اڈیشن تیار کریں، مرتبین حضرات نے ان کتابوں پر خاصے تفصیلی مقدمے لکھ کر ان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ آئندہ بھی اسی طرح کی کتابوں کے نئے اڈیشن شائع کیے جاتے رہیں۔

سید شریف الحسن نقوی
سکریٹری

www.abulhasanalinadwi.org

پیش لفظ

دلّی کے نہ تھے کوچے، اوراقِ مصوّر تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

اُردو اکادمی، دہلی کی تحقیقی اور اشاعتی کمیٹی انہی اوراقِ مصوّر کی بازیافت کی کوشش کر رہی ہے۔ اکادمی اب تک دلّی کے موضوع پر بیس بائیس کتابیں شائع کر چکی ہے۔ ان میں ایسی کتابیں بھی ہیں، جو موضوع دے کر لکھوائی گئی ہیں اور ایسی بھی، جو تقریباً نصف صدی قبل شائع ہوئی تھیں۔ ان میں سے کچھ کتابوں کے متن مرتب کر کے شائع کیے گئے ہیں اور کچھ کے متن آفسٹ کے ذریعے جوں کے توں چھاپ دیے گئے۔ اس سلسلے کی مزید دس بارہ کتابیں سال کے آخر تک شائع ہو جائیں گی۔

اب دلّی کو دلّی اور لکھنؤ کے ادبی اور تہذیبی مناقشوں کے پس منظر میں دیکھنا مناسب نہیں ہے۔ لکھنؤ، کلکتہ، پٹنہ، حیدر آباد، لاہور، رام پور کی طرح اور بھی ہندوستان کے کئی ایسے شہر ہیں، جن کی تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تمام شہر تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور علم و فن کا مرکز رہے ہیں۔ ان تمام شہروں نے ہند ایرانی تہذیب یعنی ہندوستان کے مشترکہ کلچر، ہند ایرانی فنونِ لطیفہ اور اُردو زبان و ادب کی ترقی و فروغ میں نمایاں حصہ لیا ہے، لیکن دلّی کی حیثیت مختلف ہے۔ یہ پتھروں اور اینٹوں سے بنا ہوا ایک شہر ہی نہیں بلکہ پورے عہدِ وسطیٰ کی تاریخ ہے، برصغیر کے آٹھ سو سال پر مشتمل ماضی کی یادگار ہے۔ یہاں کی سیاسی، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، روحانی، علمی اور فنی زندگی کی بنیاد گزاری دلّی والوں کے علاوہ ان لوگوں نے بھی کی تھی، جو ہندوستان کے مختلف علاقوں اور عرب و ایران سے دلّی آئے تھے اور رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے۔ یہ محض شاعرانہ خیال ہی نہیں، حقیقت ہے۔ بادشاہوں کی سرپرستی منتخبِ روزگار

www.abulhasanalinadwi.org

عالموں اور مختلف فنون کے ماہروں کو اس سرزمین پر کھینچ لاتی تھی۔

"دہلی اور اس کے اطراف: ایک سفرنامہ اور روزنامچہ" کی اشاعت دلّی کے عظیم ماضی کی بازیافت کی ایک کڑی ہے۔ اس سفرنامے کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے مصنف مولانا حکیم سید عبدالحئی نے آج سے ترانوے سال قبل ۱۸۹۴ء میں سفر کیا تھا۔ یہ سفر ہسوہ، فتح پور سے شروع ہوا تھا اور اس سفر میں حکیم صاحب دہلی، پانی پت، سرہند، دیوبند، سہارن پور، انبہٹہ، گنگوہ، نگینہ، بجنور، دارانگر اور گنج گئے تھے۔

حکیم صاحب عالم تھے۔ انھوں نے سفر کے دوران علمی اور دینی شخصیتوں سے ملاقات کی اور اُن کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کیے ہیں اس طرح اس عہد کی بعض اہم شخصیتوں کے بارے میں اہم معلومات فراہم ہوگئی ہیں۔

حکیم صاحب نے دلّی کی بعض عمارتوں اور آثارِ قدیمہ کے بارے میں کچھ ایسی تفصیلات بیان کی ہیں، جو اس علم کے ماہرین کے لیے اہم ہیں۔ مثلاً میں نے چھنّامل کی سرائے کا ذکر تو سنا تھا، یہ بھی اندازہ تھا کہ یہ سرائے چاندنی چوک کے آس پاس تھی، لیکن مجھے اس کے اصل مقام کا پتا نہیں تھا۔ حکیم صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ سرائے پرانی دلّی کے موجودہ ریلوے اسٹیشن کے سامنے تھی اور اس کے پاس سے نہر بہتی تھی۔ اس طرح ہمیں پہلی بار یہ علم ہوا کہ ۱۸۹۴ء میں دلّی کی جامع مسجد پر بجلی گری تھی، جس کی وجہ سے مسجد کا ایک مینار، ایک گنبد اور شرقی دروازے کو نقصان پہنچا تھا۔ جن دنوں حکیم عبدالحئیؒ کا دلّی میں قیام تھا، رئیس بھاول پور کے مالی تعاون سے مسجد کی مرمت ہو رہی تھی۔ اسی طرح حکیم صاحب نے خواجہ باقی باللہ، قدم شریف، مہندیان، درگاہ نظام الدین وغیرہ کے بارے میں کچھ اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

درگاہ مجددیہ (جسے اب درگاہ شاہ ابوالخیر کہا جاتا ہے) اور اس کے سجادہ نشین حضرت ابوالخیر عبداللہ محی الدین خیر کے بارے میں حکیم صاحب نے جو اطلاعات فراہم کی ہیں، ان کا مجھے علم نہیں تھا۔ حکیم صاحب نے طلبہ کے لیے کتابوں کی نایابی کا جو واقعہ بیان کیا ہے، وہ حیرت انگیز ہے۔ حکیم صاحب جب دلّی آئے تھے، تو دلّی میں پریس کو رائج ہوئے تقریباً سو سال ہو چکے تھے اور اس دوران میں بے شمار کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ لیکن نہ جانے کیا اسباب تھے کہ دلّی میں دینی کتابیں نایاب تھیں

www.abulhasanalinadwi.org

بہ قول حکیم صاحب دلی میں بخاری کے کل اٹھارہ نسخے تھے۔ پوری دلی میں لال قلعے میں تفسیر کبیر کا صرف ایک نسخہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز کو جب اس کتاب کی ضرورت پڑتی تو کسی کو بھیج کر قلعے سے منگوا لیتے۔ طالب علم کو بہ یک وقت پوری کتاب کے مطالعہ کا موقع میسر نہیں آتا تھا۔ کتاب جزو جزو کر کے طالب علموں میں تقسیم کردی جاتی تھی۔

غرض حکیم عبدالحئی نے جن شہروں کا سفر کیا تھا، ان کی دینی اور علمی شخصیتوں کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کیے ہیں، علمی اور سماجی زندگی پر تبصرہ کیا ہے اور آثار قدیمہ کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی ہیں، اور یہی اس سفر نامے کی اہمیت ہے۔

اُردو اکادمی کی تحقیقی اور اشاعتی کمیٹی نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا کام صادقہ ذکی صاحبہ کو سونپا تھا، جنھوں نے اسے خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔

خلیق انجم

www.abulhasanalinadwi.org

مقدمہ

دہلی اور اس کے اطراف، حکیم سید عبدالحئی کے سفر کا روزنامچہ ہے انھوں نے یہ سفر ۱۸۹۴ء میں دہلی اور اس کے نواحی علاقوں میں کیا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر حاشیے تحریر کر کے (جنوری تا جون ۱۹۳۹ء) اسے 'معارف' میں شائع کیا۔ اس وقت کے تعلیم یافتہ طبقہ نے اسے بہت پسند کیا تھا۔ چنانچہ یہ مقبولیت اور پسندیدگی ہی اس کی آئندہ اشاعت کا محرک ہوئی۔ ۱۹۵۸ء میں حکیم سید عبدالحئی کے فرزند مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب نے اسے پہلی مرتبہ کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کتاب کو اس وقت طباعت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اب یہ کتاب تقریباً نایاب ہے۔ کتب خانہ جامعہ ملیہ سے ایک نسخہ ملا ہے جو نہایت بوسیدہ حالت میں ہے۔ اٹھائیس ۲۸ انتیس ۲۹ سال کے اس عرصہ میں کاغذ کی اس درجہ بوسیدگی؟ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بے شمار ہاتھوں میں آئی ہے اور "وقت" سے زیادہ قارئین کی چشم شوق اس پر کام کر گئی ہے بظاہر ۱۸۹۴ء کے اس سفر اور کتاب کی خستہ حالی میں ایک توازن کی قدرسی پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ اردو اکادمی دہلی نے اس پر خاص توجہ کی۔ غالباً اس لیے بھی کہ یہ تہذیب و ثقافت کا مرقع ہے۔ اس مخصوص تہذیب کا جس نے اپنے اطراف کو مختلف سمتوں پر متاثر کیا تھا۔ اس گزشتہ تہذیب

www.abulhasanalinadwi.org

کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا سرزمین دہلی سے محبت رکھنے والوں کے لیے ایک اہم فریضے سے کم نہیں ہوسکتا۔

موجودہ سفرنامے کی نوعیت معلوم کرنے سے پیشتر ذہن ان بڑے سفرناموں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جن کی وجہ سے سفرنامے نے ایک باقاعدہ صنف کی شکل اختیار کی ہے۔ ان میں میگیس تھنیز مارکوپولو۔ سندباد جہازی ابن بطوطہ، کولمبس۔ واسکوڈی گاما۔ البیرونی اور دیگر سیاحوں کے نام لیے جاسکتے ہیں کہ جن کے سفرناموں نے عالمی مقام پایا ہے۔

دراصل سفرنامہ ابتدائی سطح پر ان دلیر جانبازوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے جن کی مہماتی فطرتوں نے ان میں مقامات کو سر کرنے اور اپنی ہمت کو آزمانے کا شوق بیدار کیا تھا۔ ان کوششوں میں دنیا کو تسخیر کرلینے کی اندرونی قوت رونما ہوتی تھی۔ جغرافیائی معلومات اور خطرناک تجربات کا انبساط ان سفرناموں کی روح رواں ہے۔ بعد میں جو سفرنامے لکھے گئے وہ مختلف مقاصد کے ترجمان ہوئے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں تعلیمی مقاصد اور سفر کی آسانیوں نے اس صنف میں زیادہ رنگارنگی پیدا کی۔

ابتدائی سفرناموں کے علاوہ دوسری قسم کے سفرنامے وہ ہیں جو سیاحت عالم کی سی وسعت نہیں رکھتے۔ لیکن وہ کسی خاص مقصد کے تحت تخلیقی توانائی اور علاقائی خصوصیات کے ترجمان ہیں۔ اور یہ مختلف زبانوں کے ادب میں بکھرے ہوئے ہیں۔ مصر، بابل، چین، یونان و روم اور عرب کی تاریخ خاص حد تک سفرناموں میں سموئی ہوئی ہے۔

اندازہ ہوتا ہے کہ شروع میں سفرنامے کسی سیّاح کے روزنامچے کی شکل میں قلم بند ہوئے ہوں گے۔ جو بعد میں باقاعدہ تصنیفی سطح پر تجربات وواردات کا پیرایۂ اظہار بنے۔ اور غالبًا ہماری داستاں طرازی کا یہ بھی ایک محرک ہوسکتا ہے۔ حقیقی دنیا کی دریافت اور اس کے تسخیر کرنے کی فطری خواہش نے تخیلی فضاء قائم کی ہوگی۔ ان خواہشات نے دیو جن پریوں کا روپ لیا۔ "اڑن کھٹولے" کا سفر اگر آج بیلی کوپٹر فضائی طیارہ اور خلائی سیّارہ کی شکل اختیار کرجاتا ہے تو اسے ہم زندگی کا ارتقائی سفر ہی کہیں گے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سفر کے ذرائع بھی تبدیل ہوتے رہے۔ اس لحاظ سے سفر کی نوعیت بَرّی، بحری فضائی یا خلائی ہوسکتی ہے۔ ویسے سیاحت

www.abulhasanalinadwi.org

اور عام سفر میں خاصا فرق ہوتا ہے۔ ایک عام مسافر کا مقصد ایک جگہ سے دوسری جگہ جاکر زندگی کی کوئی ضرورت پوری کرنا ہوسکتا ہے اور اگر دوران سفر سیر کرنا بھی ہے تو اس کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ اور یہ تجربہ عموماً ضبط تحریر میں نہیں آتا۔ جب کہ کسی سفرنامہ کے سیاح کا مقصد بطور خاص کسی شے کو دریافت کرنا اس کے باطن میں اتر کر اپنے احساسات وجذبات کی ترجمانی کرنا ہوتا ہے جس میں واردات اور تخیل کی کارفرمائی بھی ہوسکتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر سیاح اپنے سفری تجربات کو تحریر کرے۔ لیکن جب بھی یہ تجربات ضبط تحریر میں آتے ہیں، انہیں عموماً سفرنامہ ہی کہا جاتا ہے۔

سیاحت کے مقاصد مختلف النوع ہوسکتے ہیں مثلاً تاریخی، سیاسی، علمی، ادبی اور مذہبی۔ لیکن سفرنامہ کی کامیابی یہ ہے کہ قارئین اس سفر کی اہمیت اور اس کی مقصدیت اور انبساط کو پوری طرح محسوس کریں۔ ان کے علم میں وسعت نظر میں گیرائی اور کسی حد تک ان دیکھی دنیا کو پانے کی فطری خواہش کی تسکین بھی ہو۔ سفرنامے عموماً جغرافیائی معلومات تاریخی شہادتوں اپنے مخصوص دور کے تہذیبی رویوں اور مصنف کے ذوق وذہن کے ترجمان ہوتے ہیں۔

ضروری نہیں ہے کہ ہر سفرنامہ اسی معیار پر پورا اترے۔ لکھنے والے کی شخصیت یا اس کی علمی وادبی قدوقامت سے کسی سفرنامہ کی سطح اونچی نیچی ہوسکتی ہے۔ سیاحت کو سیاح کے فکر ونظر سے علیحدہ کرکے نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہ تو نظر ہی فیصلہ کرسکتی ہے کہ کوئی قدیم عمارت کسی مخصوص عہد کی تاریخ وتہذیب بیان کررہی ہے یا وہ شہر کی بے مزہ ویرانی میں اضافہ کررہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سفرنامہ میں دیگر کوائف کے ساتھ مصنف کی عزیز ترین قدریں اس کا مذاق اس کی آرزوئیں اور اس کے عہد کی جیتی جاگتی متحرک تصویریں، یہ سب کچھ مل سکتا ہے۔ سفرنامہ پر جس طرح مصنف کی شخصیت کا پرتو ہوتا ہے اسی طرح اس میں بے تکلفی اور بے ساختگی کی ڈھیلی ڈھالی پھلجھڑی آزادی کا لطف بھی شامل ہوتا ہے۔ سفرنامہ مکاتیب روزنامچوں اور یادداشتوں کی طرح بالکل آزاد صنف ادب ہے۔ مصنف اس کی ہیئت کو جیسے چاہے جس طرح بٹھا سکتا ہے۔

بیسویں صدی سے پیشتر اردو میں کم سفرنامے لکھے گئے ہیں۔ ۱۸۴۷ء میں یوسف کمبل پوش

www.abulhasanalinadwi.org

نے "عجائبات فرنگ" کے نام سے اپنا سفرنامہ لکھا تھا۔ اسے اردو کا پہلا سفرنامہ کہا جاتا ہے۔
اس کے بعد ۱۸۶۳ء میں ایک سفرنامہ "سفیر اودھ" کے نام سے شائع ہوا جو مولوی مسیح الدین خاں کا سفرنامہ ہے۔ انھیں واجد علی شاہ کا خاص اعتماد حاصل تھا۔ تیسرا قابل ذکر سفرنامہ سرسید احمد خاں کا ہے۔ جو ۱۸۶۹ء میں تہذیب الاخلاق میں قسط وار شائع ہوا۔ اس سفرنامہ میں سرسید کی تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ ہندوستان اور یوروپ کے معاشرتی اور اخلاقی کوائف سامنے آتے ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں نواب حامد علی خاں والیِ ریاست رام پور کا سفرنامہ لکھا گیا۔ انھوں نے اس دور کے انگلینڈ کے حالات سفرنامہ میں پیش کیے ہیں۔ ۱۸۹۴ء میں شبلی کا سفرنامہ روم و مصر و شام شائع ہوا۔ یہ تمام سفرنامے تعلیمی سیاسی اور بدلتے ہوئے معاشرتی حالات کے ترجمان ہیں۔ کئی غیر ملکی زبانوں کے سفرناموں کا اردو میں ترجمہ بھی ہوا ہے[1]۔

اردو ادب میں سفرناموں کے ابتدائی نقوش ہمیں سوانحی ادب اور خطوط میں مل جاتے ہیں۔ سفر کے ذکر اور روداد سفر پر مشتمل یہ حصے قابل غور ہیں۔ ان میں اپنے دور کی عام تہذیبی خصوصیات، سفر کی نوعیت اور لکھنے والے کے رفتار و گفتار کی خوبو بھی بسی ہوتی ہے۔
ان میں سرسید یا شبلی کا کوئی سفر ہو یا غالب کے "رامپور دارالسرور" یا کلکتے کے فسانے ہوں۔ یہ سب اپنے اندر بڑی جاذبیت اور سفرنامہ کا لطف رکھتے ہیں۔ دینی کتب میں اکثر دینی شخصیات کے مذہبی اور علمی نوعیتوں کے دوروں کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اٹھارویں اور انیسویں صدی کی سرگرم سیاسی سماجی اور تبلیغی تحریکوں کے ذیل میں مختلف شخصیات کے سفروں کا ذکر تفصیلی طور پر کیا گیا ہے۔ یہ مواد اگرچہ سفر پر مشتمل ہوتا ہے لیکن پھر بھی ہم اسے صنف سفرنامہ کے ذیل میں نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے کہ سفرنامہ

---

[1] ان میں ایک سفرنامہ انگریزی میں برطانیہ کے سفر پر مشتمل ہے۔ جسے عزیز مرزا نے "گلگشت فرنگ" ۱۸۸۹ء میں اردو میں منتقل کیا۔ یہ سفرنامہ مہدی حسن نے انگریزی میں لکھا تھا۔ دوسرا ترجمہ "سیر روس" کے نام سے ہے جو ۱۸۹۶ء میں اردو میں ترجمہ ہوا۔ یہ ایک انگریزی ترجمہ کا ترجمہ ہے۔ اصل سفرنامہ الیگزنڈر وان ہیمولٹ نے ڈینش میں لکھا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں مصنف کی خودنوشت سفری روداد ہوتی ہے[1] بہرصورت انیسویں صدی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی برکتوں نے کچھ ایسے اسباب پیدا کردیے تھے کہ اس صدی کے آخر اور خصوصاً بیسویں صدی کے شروع میں جو سفر کیے گئے وہ اچھی خاصی تعداد میں سفرناموں کی شکل میں سامنے آگئے۔ یہ سفر ہندوستان سے باہر روس، حجاز، اور یوروپ سے متعلق ہیں۔

بیسویں صدی میں جس قدر سفرنامے لکھے گئے ہیں۔ انھیں "دہلی اور اس کے اطراف" کے بعد کی کڑیوں میں شمار کیا جانا چاہیے کہ یہ ۱۸۹۴ء کا سفر ہے۔ اس سفر اور آج کے قارئین کے درمیان تقریباً ایک صدی کا فاصلہ ہوگیا ہے۔ آج وقت کی رفتار گزشتہ صدیوں کی نسبت کہیں زیادہ تیز ہوگئی ہے۔ سفر کی آسانیوں نے پوری دنیا کو اکائی کی حیثیت دے دی ہے۔ تجارتی اور کاروباری قدروں نے فاصلوں کو سمیٹ لیا ہے اور اس لحاظ سے انسان کے مذاق اور مزاج میں بھی نمایاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ نئے علوم کے سامنے قدیم تعلیم برگ زردکی طرح گر کر ایک تاریخی کہانی بن گئی ہے۔ پھر بھی تاریخ کی اپنی ایک اہمیت ہے اس کے دیکھنے اور پرکھنے والی نظر چاہے کتنی ترقی یافتہ ہو، تاریخی حقیقت اپنے پیمانوں پر ہی رکھی جاتی ہے۔

پس منظر

"دہلی اور اس کے اطراف" کو پڑھنے سے بدلی ہوئی دنیا کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم اسے گزشتہ عہد کی علمی اور ذہنی قدروں کے پس منظر میں دیکھیں تو اجنبیت کی گرد چھٹنے لگتی ہے اور گزشتہ زندگی کی بعض حقیقتوں کے نقوش ابھرنے لگتے ہیں۔ سب سے پہلے اگر اس سفرنامہ کے عنوان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مصنف نے اس سفر کا عنوان "ارمغان احباب" رکھا تھا جو بعد میں "دہلی اور اس کے اطراف" میں تبدیل کردیا گیا۔ اور ایسا کرنا مناسب تھا۔ کیونکہ دہلی عظیم الشان سلطنتوں کا دارالخلافہ رہا ہے۔ اور اس اعتبار سے دہلی کی علمی ادبی اور ثقافتی اہمیت رہی ہے۔ دہلی

---

[1] ایسا بھی ہوا ہے کہ انیسویں صدی کے سفر کی داستان بیسویں صدی میں کسی اور کے قلم سے مرتب کی گئی۔ جیسے کہ سرسید کا سفرنامۂ پنجاب۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے علما فقرا اور اولیا اپنی علمی اور دینی سماجی خدمات کے لیے مشہور ہیں۔ یہ سرزمین ایسی ہستیوں کا مدفن ہے جنھوں نے سماج اور سیاست دونوں پر حکمرانی کی ہے، دہلی کے دارالسلطنت ہونے کی بدولت یہاں ہر قسم کے فکری رجحانات نے نشوونما پائی اور وہ اطراف کے قصبات میں پھیل کر اداروں کی شکل اختیار کر گئے۔ اس میں حقیقت یہ ہے کہ سلاطین دہلی کی شعوری کوششوں کو دخل رہا ہے۔ تاریخ میں التمش کا عہد ایک یادگار دور کہا جاتا ہے۔ وہ ملکی اور غیر ملکی فنکاروں۔ اہل علم، عالی حوصلہ اور عالی مرتبہ اصحاب کو اپنے دارالخلافہ میں جمع رکھتے تھے، خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنے فکر و عمل سے اس عہد میں دینی مرکز اور سماجی خدمات کا سنگ بنیاد رکھا تھا نیز سلطان غیاث الدین بلبن کے متعلق شاہ عبدالعزیز کا یہ قول مشہور ہے: "خراساں، عراق۔ آذربائیجان، فارس اور روم و شام کے ملوک اور شہزادے چنگیزیوں کی دست برد اور ترک و تاز سے بھاگ کر بلبن کے زیر سایہ دہلی میں باعزت زندگی بسر کرتے تھے[1]" ان کے اس قول سے دہلوی تہذیب کی وسعت اور رنگا رنگی کا اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے دہلی کے ضمن میں یہاں کی مسجدوں مناروں، زندگی کے عام گوشوں میں زیب و زینت۔ اہل دہلی کے ذوق یہاں کے فاضلوں، مدرسوں، اور درسگاہوں کی عربی میں مدح کی ہے نیز مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی کتاب میں سلطان علاء الدین خلجی کے دور کے حوالے سے حضرت امیر خسرو کی تعریف سے متعلق یہ شعر نقل کیے ہیں:۔

خوشا ہندوستان و رونق دیں — شریعت را کمال عز و تمکیں
زعلم با عمل دہلی بخارا — زشاہان گشتہ اسلام آشکارا
مسلمانان بہ نعمانی روش خاص — زدل ہر چار آئیں را بہ اخلاص

یہ چند اقوال دہلی کی تہذیب و ثقافت کی علامت ہیں۔ گو کہ اس دور میں سائنس کی جادوگری نہیں تھی پھر بھی دہلوی ثقافت کی لہریں دور دراز علاقوں کو متاثر کر رہی تھیں دہلوی اثرات نے دوسرے شہروں اور قصبوں کو بھی بارونق اور مفید خاص و عام بنایا۔

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۔ ۵۶

www.abulhasanalinadwi.org

یہ دہلوی اثرات اور ان کی خصوصیات کسی ایک دور حکومت کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھے بلکہ مسلسل ان کی آبیاری کی گئی تھی۔ اس عمل کے لیے طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ ویسے سلاطین دہلی کو بھی اس آبیاری کے لیے اچھا خاصا وقفہ ملا تھا۔ غالباً ایسے ہی ثقافتی حالات کے پیش نظر مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ ـــــ شاہ ولی اللہ کے عہد کی دہلی میں ذہنی طور پر یہ استعداد تھی کہ وہ ایک ایسی عالمگیر تعلیم کا ذریعہ بنتی جو ساری دنیا کو دی جاتی۔ لیکن جب یہ قدریں ایسے ارتقائی مدارج پر پہنچیں تو سیاسی مرکز ہی کمزور ہو گیا۔ اس دور کے اہل دانش و بینش کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ مرکز کی کمزوری کی وجہ سے صوبائی طاقتیں سر اٹھائیں گی اور ان کا دست و گریبان ہونا بھی لازمی ہے۔ پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے انگریز حکومت کے اثرات ہندوستانی معاشرہ پر رفتہ رفتہ اثر انداز ہو رہے تھے۔ ان کا مقابلہ کرنا ایسا آسان نہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں لبرل ازم کو فروغ ہو رہا تھا۔ روسو، کانٹ، ـــــ نطشے انسانی نصب العین کو انسانی آزادی کے چوکھٹے میں رکھ کر دیکھ رہے تھے۔ اس فلسفے نے وہاں کے علم و ادب کو بھی متاثر کیا تھا۔ سیاست میں جمہوری تقاضوں اور شہنشاہیت کی کش مکش کو یوروپ کے علاوہ بھی دور دراز علاقوں میں محسوس کیا جا رہا تھا۔ گویا اس دور کا تقاضا ہی یہ تھا کہ مذہب ادب اور فلسفہ کو سیاست سے علیحدہ نہ رہنے دیا جائے۔

ہندوستان میں انگریزی اقتدار سے نجات پانے کے لیے لازم تھا کہ عوام کو بیدار کیا جائے۔ ایک طاقتور حکومت سے اپنی آزادی کو بچانے کے لیے ضروری تھا کہ نہ صرف دینی اداروں کی اصلاح کی جائے بلکہ سیاسی مرکز بھی تبدیل کر دیا جائے۔ اس دور تک فقرا اور اولیا سیاست سے علیحدہ رہتے تھے۔ (دینی خلافت ایک علیحدہ ادارہ تھا) لیکن اب دینی حالات بھی انقلاب چاہتے تھے، دراصل اسلام کے حرکی پہلو پر توہم پرستی اور رسم و رواج کا غلبہ ہو گیا تھا۔ اٹھارویں صدی میں ہندوستانی معاشرت کے مصنف نے لکھا ہے "اس عہد میں مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں۔ اور مزاروں پر لوگوں کے ہجوم نظر آتے تھے۔ مذہب سے دوری اور قبر پرستی اور افعال شرک سے قربت' اس زمانے کی خصوصیات تھیں

www.abulhasanalinadwi.org

دور دور سے قوالوں کی چوکیاں آتی تھیں۔ لوگ مرادیں مانگتے۔ نذریں چڑھاتے اور خوب سیر و تفریح کرتے تھے"[1]

محمد شاہی دور میں، جیسا کہ ذکر آچکا ہے، سیاسی حالت خستہ تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے دینی سیاسی اور سماجی سطح پر انقلاب لانے کے لیے ایک تحریک پیدا کرنے اور اسے ہمہ گیر بنانے کا منصوبہ تیار کیا۔ انھوں نے دہلی اور اس کے اطراف کے ارباب فکر کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا۔ اور وہ اپنے فکر و عمل کے ذریعے اعلا طبقے کو متاثر کرنے میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہ تحریک خواص کے لیے تھی۔ بنیادی طور پر یہ عوامی تحریک تھی جو آئندہ کئی صدیوں پر پھیل جاتی ہے۔ اسی تحریک کے متعلق ڈاکٹر عابد حسین نے لکھا ہے "ہندوستانی مسلمانوں کی گرتی ہوئی حالت کا جو کچھ تو سلطنت مغلیہ کے زوال کا نتیجہ تھی اور کچھ اس کا سبب بھی .... ان کی مذہبی اخلاقی معاشرتی اصلاح اقتصادی اور سیاسی ترقی کا ہر جتنی منصوبہ (شاہ ولی اللہ نے) سوچا"[2]

شاہ ولی اللہ کا یہ منصوبہ ہمہ گیر تحریک میں تبدیل ہوا۔ اس تحریک کو ہم سماجی بیداری کے اوّلین نقوش سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کا مرکز محض دہلی۔ دیوبند۔ علی گڑھ نجیب آباد اور رائے بریلی ہی نہ تھا بلکہ اس کی جدوجہد کا میدان پوری مشرق وسطیٰ کی اسلامی دنیا تھی۔ تحریک کی دوسرے اور تیسری صدی میں اس کا ایک حصہ جنگ آزادی میں ضم ہو گیا۔ یہی وجہ بھی ہے کہ جنگ آزادی میں دینی اداروں نے نمایاں حصہ لیا۔ اگر یہ تحریک اس طرح نہ اٹھتی اور پھیلتی تو یہ مشکل تھا کہ علما سیاسی آزادی کے سرگرم کارکنان بنتے۔ کیونکہ ماضی میں بادشاہ وقت سے انھیں کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ لیکن ولی اللہ تحریک نے اس دینی سلسلے میں بھی ایک انقلاب پیدا کیا۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے پروگرام کی تدوین کے لیے اپنے ساتھیوں کی ایک باقاعدہ مرکزی جماعت تشکیل کی تھی جو تعلیم و ارشاد کے ذریعے ایک طرف صوفیا اور علما میں اور

---

[1] اٹھارویں صدی میں ہندوستانی معاشرت از ڈاکٹر محمد عمر ص ۴۷ [2] ہندوستانی مسلمان آئینہ ایام میں ص ۶۳

www.abulhasanalinadwi.org

دوسری جانب امرا و اراکین سلطنت میں کام کرتی رہی۔ ان میں مولانا محمد عاشق۔ مولانا نوراللہ بڈھانوی اور مولانا محمد امین کشمیری قابل ذکر ہیں انھوں نے مرکزی جمعیت کی شاخیں مختلف علاقوں میں قائم کیں۔ نجیب آباد کا مدرسہ اور رائے بریلی میں دائرہ (تکیہ) شاہ علم اللہ شاہ صاحب کی تحریک کے مراکز رہے۔ شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے فرزند شاہ عبدالعزیز نے اس تحریک کی ذمے داریاں سنبھالیں۔ اس تحریک سے متعلق تاریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عبدالعزیز کے دور میں یہ انقلاب مسلمانوں کا عام جذبہ بن چکا تھا۔ سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید (شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے) نے ان نوجوانوں کو منظم کیا، اور ایک ایسی حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد دولت جمع کرنا نہیں تھا بلکہ انگریزوں کو وطن سے نکال دینا تھا۔ سید احمد شہید نے سلطنت کا سربراہ ہونے کے بعد متعدد مہاراجوں اور سکھ حکومت کے ذمہ داروں کو جو خطوط لکھے تھے ان میں یہ مضمون دہرایا گیا ہے (سفرنامہ "دہلی اور اس کے اطراف" میں ان شخصیات سے مصنف کی انتہائی عقیدت مندی کا اظہار ہوتا ہے)

۱۸۵۷ء میں جب دہلی میں مغلیہ سلطنت کی آخری نشانی بھی مٹ گئی تو اس کے دو سال بعد شاہ محمد اسحاق کی مرکزی جمعیت جو اب حجاز میں مقیم تھی، اس نے اور ہندوستانی جماعت نے جو کہ امیر امداد اللہ کی راہ نمائی میں کام کر رہی تھی، فیصلہ کیا کہ اطراف دہلی میں امام عبدالعزیز کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے۔ چنانچہ مولانا ابوالقاسم رح کی مسلسل کوششوں سے مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور اس کے بعد ایک مدرسہ سہارنپور اور ایک مراد آباد میں قایم ہوا، جنھیں مدرسہ دیوبند کی شاخیں کہا جاسکتا ہے۔ مدرسہ دیوبند کی مرکزی فکر اور اس کے سیاسی مصلحت کے اصول امیر امداد اللہ اور ان کے رفقا مولانا محمد قاسم نانوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد یعقوب دیوبندی کی جماعت نے معین کیے تھے۔ (سفرنامہ میں دارالعلوم دیوبند کے اس نوعیت سے متعلق کئی جگہ اشارہ کیے گئے ہیں) مذکورہ تحریک کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ مختلف علاقوں کے مدارس سے جو علما فارغ ہوں وہ متعدد مدارس اور مساجد میں کام

لہ تحریک شیخ الہند از مولانا سید محمد میاں علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ۲ ص ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے کے لیے پوری استعداد رکھتے ہوں۔ درسی کتب سے فراغت کے بعد وہ متعدد بڑے علما کی صحبت میں رہیں اور ان سے شاہ ولی اللہی تحریک کی حکمت سے واقف ہوں اور اس طرح جماعت کے سربراہوں کی بیعت کے ذریعے وہ اس جماعت سے وابستہ ہو سکتے تھے۔

مدرسۂ دیوبند کی تاریخ کا پہلا دور مولانا رشید گنگوہیؒ کی وفات پر ختم ہو گیا۔ اس دور میں اس تحریک میں وسعت پیدا ہوئی۔ اور شاہ صاحب کی فکر کی اشاعت کی گئی۔ یہ تحریک اس دور میں اطراف ہند سے نکل کر افغانستان، ترکستان حجاز اور تمازان تک پہنچ گئی تھی۔ دیوبند تحریک مختلف النوع مقاصد کی ترجمان رہی۔ مشرقی تہذیب کا احیاء۔ سماجی بیداری اقتصادی انصاف مذہب میں معقولیت پسندی۔ بنیادی دینی قدروں کی تبلیغ اور تعلیمی تدریسی مقاصد کے لیے عملی جدوجہد اس طرز فکر کی مختلف جہتیں تھیں۔ ہندوستان میں علی گڑھ تحریک کے تحت جو مذہبی اصلاح کی کوششیں کی گئیں ان کا سلسلہ بھی کم و بیش اسی تحریک سے جا ملتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر عابد حسین نے بھی لکھا ہے "علی گڑھ تحریک کے وسیلہ سے جو مذہبی اصلاح کی کوششیں کیں ان کے بنیادی خیالات وہی ہیں جن کا اظہار شاہ ولی اللہ صاحب بہت پہلے کر چکے تھے"[1] اس تحریک کی مختلف کڑیاں اور متعدد نقوش علمی دینی تمدنی اور سیاسی و سماجی کتابوں میں بکھرے ہوئے مل جاتے ہیں۔

پیش منظر

سفر نامہ "دہلی اور اس کے اطراف" میں مولانا سید حکیم عبدالحیؒ نے اپنے سفر کی مختلف[2] منزلوں پر علمی درسگاہوں کی سیر کرتے ہوئے ایسی شخصیات کا بار بار ذکر کیا ہے جو مذکورہ تحریک کی علمبردار رہی ہیں۔ اور جن کے ذکر کے ساتھ تقریباً دو صدیوں پر پھیلی ہوئی ولی اللہی تحریک کا پس منظر سامنے آجاتا ہے۔ دہلی اور اس کے اطراف میں پھیلی ہوئی دینی اور علمی درسگاہیں اور ان کے گرد مصنف کا یہ سفر اس تحریک کی ایک نئی کڑی

---

[1] ہندوستانی مسلمان آئینۂ ایام میں ص ۶۳

[2] یہ سفر بنسوہ ضلع فتحپور سے دہلی۔ دیوبند۔ نجیب آباد۔ سہارنپور۔ نانوتہ۔ ایبٹہ۔ گنگوہ رڑکی کی سیاحت پر مشتمل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

معلوم ہوتا ہے۔ دہلی۔ دیوبند۔ نانوتہ۔ سہارنپور۔ گنگوہ۔ رڑکی اور نجیب آباد کے قیام کے دوران متعدد اصحاب سے ملاقات کرتے ہوئے مصنف نے امام عبدالعزیز شاہ اسماعیل شہید اور مخصوص طور پر سید احمد شہید کا بیشتر مواقع پر ذکر کیا ہے۔ ان سے متعلق واقعات کو سننا اور سنانا چاہا ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی جب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب نے ۱۹۳۹ء میں سیرت سید احمد شہید لکھنے کا ارادہ کیا تو انھیں اور سلیمان ندوی صاحب کو اس قلمی مسودے کو بغور دیکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ جیسا کہ انھوں نے لکھا ہے۔

"حُسن اتفاق سے ایک روز مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم گھر پر تشریف لائے تھے اور سیرت سید احمد شہید کا مسودہ ملاحظہ فرما رہے تھے کہ اس کتاب کا عنوان دیکھ کر اس کے مطالعے کی خواہش ظاہر فرمائی۔" [1]

اس سفرنامہ کو لکھے ہوئے تقریباً نوے سال ہو چکے ہیں۔ اگر آج بھی اس پر نظر کی جائے تو گزشتہ تہذیب سے سرسری واقفیت رکھنے والا قاری بھی اس سفر کو لطف و بصیرت سے خالی نہ پائے گا۔ اس لیے کہ یہ کہانی بہت دور کی نہیں ہے۔ تاریخ میں ایک صدی کا فاصلہ بہت بڑا فاصلہ نہیں ہوتا۔ یوں انقلابات تو لمحہ بھر میں آسکتے ہیں اور پوری تہذیبی بساط الٹ سکتی ہے۔ لیکن ہر ارتقائی منزل اپنی پہلی کڑی سے جڑی ہوتی ہے۔ اس کل کی بات کو پرانی قدریں کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ سفرنامہ میں لطف و بصیرت کا پہلو اس لیے بھی ہے کہ سفر کرنے والے سیاح کو علم کی سچی لگن ہے۔ اپنی تہذیب سے محبت ہے۔ اپنے بزرگوں کے کارناموں کے لیے عقیدت اور احترام کا پہلو ہے۔ اور اپنے ہم عصروں سے ملنے کی تڑپ ہے۔ سیاح درسگاہوں کی سیر کرتا ہے اور ان سے پورا حظ اٹھاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ پوری اسلامی تاریخ سے واقف ہے اور ان سے متعلق معیاری کتابوں کی باقاعدہ تعلیم حاصل کر چکا ہے۔ اس کوچہ میں پیش آنے والی مشکلات سے گزر چکا ہے علم اور لاعلمی کی سیاحتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ وہ سیاحت ہوتی ہے جہاں

---

[1] دیباچہ۔ دہلی اور اس کے اطراف۔ ۱۹۵۸ء

www.abulhasanalinadwi.org

تحقیق وتنقید کے دروازے کھلتے ہیں اور تجربات کے کانٹوں سے گزرنے کے بعد بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اس سفر میں جابجا مسجدوں اور مدرسوں میں ہونے والے احادیث کے درس اور تفسیروں میں مصنف نے شرکت کی ہے۔ ہمہ تن گوش ہوکر درس کو سنا ہے۔ اب ان ہی کو اس دور کے سیمنار، سمپوزیم، ورکشاپ کانفرنسیں چاہے جو کہہ لیجیے۔ علم حاصل کرنے اور تبادلۂ خیالات کرنے کے مواقع انہیں جگہوں پر حاصل ہوتے تھے۔ نماز ظہر، مغرب، عشاء یا فجر کے بعد یہ دینی نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ دور دراز جگہوں سے لوگ آکر فیض اٹھاتے تھے۔ فقہ دینی اور دوسرے مسائل پر بے تکلف گفتگو ہوتی تھی۔ واقعات کی یہ کاغذی تصویریں اس سفرنامہ کا خاصہ ہیں۔ ہر قسم کے مبالغے سے بری بے تکلف انداز سے سیاح نے اپنی ڈائری کے اوراق میں یہ واقعات رقم کیے ہیں۔ ایک موقع پر اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

"اس وقت بھی ابر وباد ہے اور راستہ بالکل خراب ہے۔ لیکن میں مولانا ممدوح کے پاس جانے کو تیار ہوں۔ سات بجے مولوی صاحب کی درسگاہ سے بہت قریب ہے۔ گیا۔ راستہ ایسا خراب ہے کہ چار قدم چلنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ بخاری شریف کا درس شروع ہوگیا ہے۔ اس میں شریک ہوگیا اس کے بعد مقدمہ صحیح مسلم ہوا۔ بالکل سادہ سادہ درس ہے اس کے بعد بیضاوی کا سبق شروع ہوا[1] مولوی صاحب کے بھتیجے مولوی عبدالحفیظ پڑھتے ہیں۔ اس کا سبق بالکل خراب ہوتا ہے۔ پڑھنے والے قطعاً نہیں سمجھتے۔ عبارت بالکل غلط پڑھتے ہیں جس سے سننے والا بھی صحیح مطلب اخذ نہیں کرسکتا مولوی صاحب کی نسبت سوءفہم کا گمان سوءظن ہے کیا عجب ہے کہ کبرسنی کی وجہ سے اخذ مطلب کے متحمل نہ ہوسکتے ہوں۔"

---

[1] سفرنامہ۔ مولوی سید نذیر حسین کا درس (قیام دہلی)

www.abulhasanalinadwi.org

مصنف نے اپنی ہم عصر شخصیتوں سے مل کر جا بجا دینی اور سماجی کاموں کے طریقوں کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ سفرنامہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مصنف جہاں کہیں جاتے ہیں اس مقام اور شخصیات سے متعلق قیمتی معلومات قلم بند کرتے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا علمی جامعیت کا مالک ہے۔ اپنی تاریخ اور اپنے دور سے پوری طرح باخبر ہے۔ مندرجۂ ذیل اقتباس سے اس سفرنامہ کی افادیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"شاہ عبدالرحیم مہندیوں میں رہتے تھے۔ پہلے وہاں آبادی تھی جہاں ان کے مزار ہیں۔ یہ خاص حجرہ شاہ عبدالرحیم صاحب کا تھا وہاں مدرسہ بھی تھا اور مسجد بھی وہ سب منہدم ہوگئی۔ یہ مسجد جواب ہے یہ شاہ اسحاق صاحب کے وقت میں کسی ارادت مند نے بنوادی ہے۔ احاطہ مزاروں کا بالکل شکستہ ہوگیا ہے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے بعد شاہ ولی اللہ نئے شہر میں تشریف لائے۔ یہ مدرسہ ان کو دیا گیا۔ اور یہیں رہ پڑے۔ ان حضرات کے حالات بہت دیر تک مولوی صاحب بیان کرتے رہے ..... اس کے بعد میں نے خدا حافظ کہا مولوی صاحب باوجود میرے انکار کے گلی کے نکڑ تک مشایعت میں آئے، وہاں اپنا آدمی لالٹین لے کر ساتھ کردیا ..... جامع مسجد کے قریب میں ان کے آدمی کو رخصت کیا۔ کیونکہ لالٹینیں سڑک پر روشن تھیں اور راستہ بھی مجھ کو معلوم تھا۔" (قیام دہلی)

اس سفرنامہ کا ایک نمایاں حصہ مدرسوں کے ساتھ مزاروں کی زیارت کے بیان پر مشتمل ہے۔ دہلی اور اس کے اطراف میں بزرگان دین اور تاریخی ہستیوں کے بے شمار مقبرے ہیں۔ ان پر جاکر مصنف نے فاتحہ خوانی کی ہے اور سفرنامے میں مرحومین کے کارناموں کی اہمیت تاریخی شہادتوں کے ساتھ بیان کی ہے۔ یہ معلوماتی حصہ اس سفرنامہ کی اہم کڑی ہے۔ مزارات کی زیارت ہماری تہذیبی اور دینی زندگی کا ضروری عنصر رہی ہے لیکن سفرنامہ کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف اس سلسلے کے روایتی طریقہ کار کو پسند نہیں کرتے۔ اس روایتی انداز کے خلاف انھوں نے مزارات پر صرف فاتحہ خوانی کی ہے۔ نہ مزاروں پر پھول چڑھانے

www.abulhasanalinadwi.org

نہ سجدہ کیا نہ منتیں مانگیں اور نہ وہاں پر تبرکاً پانی پیا۔ اس کے برعکس غیر ضروری باتیں ہماری تہذیبی زندگی کا حصہ بن گئی تھیں۔ مصنف جب دہلی میں قدم شریف پر پہنچے تو مجاورنے قدم رسولؐ کے اوپر بھرا ہوا پانی تبرکاً دینا چاہا۔ لیکن انھوں نے اعتنا نہیں کیا۔ کسی مذہبی عقیدے سے انحراف کی شکل میں عموماً لوگوں کے رویے بیحد جذباتی ہوجاتے ہیں۔ وہ یکلخت ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ "دوزخی" ہونے کا فتویٰ بھی صادر فرمادیتے ہیں۔ موصوف جن دنوں دہلی میں قیام پذیر تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جامع مسجد میں عموماً وعظ ہوا کرتے تھے۔ مصنف نے بھی ان وعظوں میں شرکت کی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ جو لوگ حنفی فقہ کے خلاف ہیں وہ بے تامل دوسروں کو جہنمی قرار دیتے تھے۔ اس واقعہ پر مصنف نے "مسجد جامع میں واعظوں کا دنگل" کا دلچسپ عنوان تحریر کیا ہے۔ اور بڑے لطف کے ساتھ وہ چند فقرے دہرائے ہیں جو کسی واعظ نے دوسروں کے لیے استعمال کیے ہوں گے۔ ایسے واقعات دو ایک جگہ آئے ہیں ورنہ پورے سفر پر علمی وقار اور سنجیدگی محیط ہے۔ لیکن سادہ گفتگو میں معلومات کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔

تاریخ اسلام اور تاریخ و تہذیب کے موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے بھی یہ ایک قابل قدر سرمایہ ہے۔ اس میں انیسویں صدی کے اواخر کی کچھ ایسی شخصیات کا ذکر بھی آیا ہے کہ جن کے بارے میں سر سید احمد خاں نے "آثار الصنادید" میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے تاہم یہاں سفر کا کینوس مختلف ہے۔ روزنامچہ کی تمام تر نوعیت دینی اور علمی ہے۔ دہلی کی سیر کرنے والے سیاحوں کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ تاریخی آثار کو اپنی نگاہ سے دیکھیں۔ چنانچہ سفرنامہ کے سیاح نے جب ایسے قدیم آثار پر نگاہ کی تو ان کی قلبی کیفیات کو خود ان کی زبانی سنیے:

"ناظرین مجھ کو معاف کیجیے گا، ان مکانوں کے دیکھنے سے میرا دل ایسا بے قابو ہوتا ہے کہ میں ان کے حالات بیان کرنے سے بھی قاصر ہوں۔ بلکہ جو شخص ان درباروں کی سیڑھی اور قلعہ کی جاگرفی سے باہر ہے وہ کیا ممکن ہے کہ ان کو دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو نہ روئے اس کا دل بے چین نہ ہوجائے، اس کے

www.abulhasanalinadwi.org

بدن پر رونگٹے نہ کھڑے ہو جائیں۔ اس کی آنکھ کے سامنے خدا کی سچی عظمت و ہیبت نمودار نہ ہو جائے۔ ذرا تھوڑی دیر کے واسطے آپ حدیقۃ الاقالیم میں محمد شاہی دور کا سماں دیکھ لیجیے پھر عالم شاہی دبار کا تنزل ملاحظہ فرمائیے۔ پھر ان ٹوٹی پھوٹی دیواروں میں کروفر شاہی کے آثار دیکھیے۔ اللہ اللہ ولا موجود اللہ"

(دہلی میں لال قلعہ پر)

دہلی کے علاوہ دیگر مقامات پر مصنف نے جیسا کہ ذکر آچکا ہے مختلف درسگاہوں کی سیر کی ہے۔ وہاں کے عام دینی حالات کا اندازہ لگایا ہے اکابر علما کی نشستوں سے فیض اٹھایا ہے۔ اور پچھلے واقعات معلوم کیے ہیں۔ مختلف ضلعوں، وہاں کے شہر اور قصبات پر تقابلی نظر بھی ڈالی ہے۔ اپنے سفرنامہ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"اس وقت سہارنپور کے جس قدر قصبوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہاں ہر فرد بشر کو سید صاحب کا دم بھرتے پایا جو ہے ان کی محبت میں چور ہے۔ اور باتفاق کہتے ہیں کہ ہم کو ایمان و اسلام کی سیدھی راہ انہی سے ملی ہے برائے نام ہم مسلمان تھے۔ جتنے مشائخ ہیں وہ سب اسی سلسلے کو مقدم جانتے ہیں۔ اسی طرف کی مساجد عموماً آباد ہیں۔ ہر مسجد میں حمام گرم ہو رہے ہیں۔ ہر مسلمان کم از کم نماز و تلاوت کا فرور شائق ہے۔ میرے گمان میں ضلع سہارنپور کے اشرار ہماری طرف کے اخیار سے اچھے ہیں۔"

اس سفرنامہ سے تاریخی آثار کی سیر کے علاوہ متقدمین کی کتب، اسلامی تصوف کے سلسلے، خانقاہیں، احادیث کی کتب، درسگاہیں مسجدیں، مغربی یوپی کے شہر اور قصبات، برگزیدہ دینی علمی شخصیات سے گفتگو، ان کے درس اور جا بجا عربی فارسی کے اشعار جیسا قیمتی مواد مل سکتا ہے۔ ہر قسم کے تکلف یا مبالغہ آرائی کے خلاف سادگی اور بے ساختگی اور اس کے ساتھ اختصار اور جامعیت سفرنامہ کی اہم خصوصیات ہیں۔ کسی دینی عالم کی تحریر میں عموماً سادگی و سلاست کا وصف اس لیے کم ہوتا ہے کہ عبارت میں علمی اصطلاحیں اور عربی فارسی کی تراکیب زیادہ ہوتی ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ اس سفرنامے کی عبارت میں یہ اصطلاحیں

www.abulhasanalinadwi.org

اس طرح رچی بسی ہیں کہ ان کے علیحدہ وجود کا احساس نہیں ہوتا۔

اسی طرح عربی و فارسی کے اشعار بھی عبارت کا ضروری حصّہ معلوم ہوتے ہیں۔ اردو میں سادہ نثر کی روایت شروع انیسویں صدی سے ملتی ہے۔ موجودہ سفرنامہ بھی اردو اسالیب نثر کے ارتقا کی ایک نئی کڑی معلوم ہوتی ہے۔

تعارف "دہلی اور اس کے اطراف" کے مصنف مولانا سید عبدالحئی سابق ناظم ندوۃ العلماء اواخر انیسویں کی ایسی علمی و ادبی شخصیت ہیں کہ جن کے علمی و ادبی کاموں کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ ان کی پیدائش ۱۲۸۶ھ میں دائرۃ شاہ علم اللہ، رائے بریلی میں ہوئی۔ مجدد وقت (امام الہند) سید احمد بریلوی سے ان کا خاندانی تعلق ہے۔ اس خاندان میں بڑے بڑے مشائخ صلحا علما اور مجاہد پیدا ہوئے[1] جن میں سے بارہویں صدی ہجری میں شاہ علم اللہ اور تیرہویں صدی ہجری کے حضرت سید احمد شہید قابل ذکر ہستیاں ہیں۔ سید احمد بریلوی کے نام کے ساتھ شاہ اسماعیل شہید کا نام بھی قدرتی طور پر سامنے آجاتا ہے کہ دونوں ولی اللّٰہی تحریک کے مضبوط رشتے سے منسلک تھے۔

عبدالحئی صاحب کے والد سید فخرالدین خیالی شاعر ہونے کے علاوہ مختلف معیاری اور ضخیم کتابوں کے مصنف تھے۔ یہ فارسی زبان کے ادیب اور ارباب نثر میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کی فارسی کی کتاب "مہرجہاں تاب" مشہور ہے۔ جس کو علوم و فنون و مذہبی علمی تاریخ کا انسائیکلوپیڈیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ کتاب بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد فل اسکیپ سائز کے تیرہ سو صفحات میں ختم ہوئی ہے۔ اردو اور فارسی کا ضخیم مجموعۂ کلام بھی یادگار چھوڑا۔ اور انساب و تاریخ پر تصنیفات کا ایک وسیع ذخیرہ جس کا بڑا حصّہ غیر مطبوعہ ہے۔[2]

مولانا عبدالحئی نے اس دینی اور علمی روایت کو اپنی دادیہال اور نانیہال دونوں سے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سیرت سید احمد شہید (پہلا باب۔ اجداد کرام) ص ۲۷ تا ۵۷

[2] مولانا ابوالحسن علی ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

پایا۔ کچھ شعر و ادب کا ذوق اس وقت کی ایک عام فضا بھی تھی۔ لہٰذا یہ تمام اثرات شعوری اور غیر شعوری طور پر ان کی نمو پذیر شخصیت میں رچ بس گئے۔ نبسوہ (ضلع فتحپور) اور رائے بریلی میں فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ کر آپ الہ آباد چلے گئے۔ یہاں مولانا عبدالحئی لکھنوی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور دوسرے علما کی خدمت میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد کی تعلیم بھوپال سے حاصل کی۔ یہ نواب صدیق حسن خاں کا دور تھا۔ اور اس وقت بھوپال فضل و کمال کا مرکز بنا ہوا تھا۔ دو سال کے بعد پھر لکھنؤ جا کر اس دور کے اکابر علماء سے کتب درسیہ پڑھیں اس زمانے میں آپ کا بیشتر قیام مسجد نوازی واقع بازار جھاؤلال کے حجرہ میں رہا۔ طالب علمی کے بعد کے دور میں بھی آپ نے اسی محلہ میں سکونت اختیار کی۔

لکھنؤ سے فراغت کے بعد مولانا موصوف نے دوبارہ اعلا تعلیم کے لیے بھوپال میں قیام کیا۔ اور اس دور میں آپ نے مولانا قاضی عبدالحق ..... مولانا سید احمد دہلوی مولانا شیخ حسین بن محسن الیمانی سے کتب درسیہ۔ ریاضی۔ ادب اور علم حدیث حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے مولانا شیخ حسین (بن محسن الیمانی) کو آپ کی طرف خصوصی توجہ تھی۔ اسی زمانے میں آپ نے لکھنؤ کے مشہور حکیم عبدالعلی صاحب سے طب کی کتابیں پڑھیں۔ اور اسی دور میں (۱۳۱۱ھ) حکیم عبدالعزیز سے قانون کی تعلیم حاصل کی مولانا عبدالحئی مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادی سے بیعت تھے۔ لیکن وفات کے بعد (مولانا ابوالحسن علی ندوی کے خیال کے مطابق) سلوک کے منازل انھوں نے حضرت سید احمد شہید کے سلسلے میں مولانا شاہ ضیاء النبیؒ مولوی حکیم سید فخرالدین اور شاہ عبدالسلام صاحب نبسوی کی توجہات میں طے فرمائے۔ تینوں عبدالحئی صاحب کے قریبی خاندانی بزرگ تھے۔

مولانا عبدالحئی نے انتہائی حساس اور دردمند طبیعت پائی تھی مشکل اور طول طویل کام کرنے اور انھیں تکمیل تک پہنچانے کی آرزو۔ عملی جدوجہد کے لیے ایثار، انتظامی امور سے دلچسپی اور ایماندارانہ روش ہی تھی کہ جس کی بنا پر وہ مددگار ناظم ندوۃ العلما اور کچھ عرصہ بعد ۱۹۱۵ء میں آپ ناظم ندوۃ العلما منتخب ہوئے۔ اور پھر تا حیات اسی منصب پر فائز رہے۔ ابھی طب کی تعلیم اور مطب تکمیل کو پہنچے نہیں تھے کہ درمیان میں ندوۃ العلما کا قیام عمل میں آگیا تھا۔ چنانچہ موصوف اس

www.abulhasanalinadwi.org

سے متعلق ہو گئے۔ طالب علمی کے دور ہی میں آپ نے اس ادارہ کے جلسوں میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد انتظامی امور میں مدد فرماتے رہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے آپ کو اس ادارہ کے اصول اور نظریات سے طبعاً مناسبت تھی۔ ممکن ہے کہ آپ نے اسے مختلف سمتوں میں اپنی جدوجہد کا میدان بنانا چاہا ہو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس دور میں آپ کس حد تک دینی اور ثقافتی طور پر انقلاب پسند تھے۔ لیکن نئے انقلاب کے اثرات آپ کے ذہن اور تحریر پر مرتب ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ معقولیت پسندی۔ نئے تقاضوں کا شعور۔ دینی و سماجی خدمات کا جذبہ اور اصلاحی جدوجہد یہ اس دور کی انقلاب پسندی تھی اور یہ سفرنامہ اس طرز فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ اتنا مولانا علی ندوی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ ادارۂ ندوۃ العلما کے مقاصد و عزائم آپ کی افتادِ طبع اور مذاق و ذہن سے خاص نسبت رکھتے تھے۔ مولانا کی معاملہ فہمی اور استقلال مشہور تھا۔ آپ کی سیرت توکل کا مظہر تھی۔ طبیعت میں وسعت اور فیاضی تھی۔ ان کا دسترخوان وسیع ہوتا اور مہمان مقیم رہتے تھے۔

تصنیف و تالیف کتب بینی اور تصنیف و تالیف آپ کے مشاغل رہے۔ ان مشاغل میں شہرت پسندی کو دخل نہ تھا۔ بلکہ یہ مشاغل ان کی طبیعت کا تقاضا تھے۔ اُردو۔ فارسی اور عربی زبانوں پر انھیں قدرت حاصل تھی۔ آپ نے اُردو میں جو کچھ لکھا وہ قابلِ قدر ہے۔ لیکن عربی اور فارسی میں آپنے بڑے پایہ کی علمی تحقیق انجام دی۔ نزہت الخواطر (۸ جلدیں) عربی میں ہے۔ جس میں پانچ ہزار اعیان ہندوستان کا تذکرہ ہے۔ حکیم عبدالحئی صاحب کو اسلامی عہد کی تاریخ سے خصوصی دلچسپی رہی۔ آپ نے جس علمی ماحول میں تربیت پائی اور جس انداز سے علوم کا اکتساب کیا اور جس طرح ایک دینی و علمی ادارہ کی رہ نمائی کی غالباً اس متواتر فضا کا تقاضا تھا کہ آپ اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی نظر ڈالیں۔ چنانچہ تاریخ تمدن تاریخ ملوک، تاریخ علوم و فنون، تاریخ سلاسل تصوف اور خاندان و انساب جیسے موضوعات کو انھوں نے مرتب کیا۔ عبدالحئی صاحب کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ تن تنہا بڑے بڑے کام انجام دیتے تھے۔ اس نوعیت کے کام عموماً ادارے پروجیکٹ کی شکل میں انجام پاتے ہیں۔ ان کی ایک اور کتاب "جنت المشرق" ہندوستان کے اسلامی عہد کا ایک چھوٹا سا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جو حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے اور "معارف العوارف" ہندوستان میں

www.abulhasanalinadwi.org

علم و تعلیم کی تاریخ اور ہزار سالہ اسلامی عہد کے مصنفین اور تصنیفات کی ڈائرکٹری ہے۔ جو ہندوستان کے متعلق مستند معلومات کا بہترین ماخذ اور ذخیرہ ہے۔ اور عالم اسلام کو ہندوستان کی علمی اور دینی خدمات سے واقف کرانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اسے دمشق کی ایک مشہور اکادمی نے شائع بھی کیا ہے۔ اُردو میں یادایام (تاریخ گجرات) گل رعنا، دہلی اور اس کے اطراف قابل ذکر کتابیں ہیں۔ انھوں نے تاریخی موضوعات پر اُردو مضامین بھی لکھے ہیں۔ مولانا حکیم سید عبدالحئی کے علمی کاموں کی اچھی خاصی تعداد غیر مطبوعہ ہے[1]

'سفرنامہ دہلی اور اس کے اطراف' مخصوص علمی اور تہذیبی قدروں کا ترجمان ہے۔ اس میں مصنف نے اپنے عہد کی دینی شخصیات ان کے چشم دید واقعات اور بعض تاریخی آثار اور ان سے متعلق اہم تاریخی نکات بیان کیے ہیں۔ جو تحقیق کرنے والوں کے لیے قیمتی ماخذ ثابت ہو سکتے ہیں۔ توقع ہے کہ اپنی تاریخ و تہذیب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب مفید مقصد ہوگی۔

میں مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کی شکر گزار ہوں کہ ان کے اور سید سلیمان ندوی صاحب مرحوم کے پیش کردہ حواشی سے میں نے اس کتاب کا اشاریہ ترتیب دینے میں بڑی حد تک استفادہ کیا ہے۔

آخر میں اُردو اکادمی کی تحقیقی و اشاعتی کمیٹی کے چیرمین جناب ڈاکٹر خلیق انجم اور اُردو اکادمی کے سکریٹری جناب شریف الحسن نقوی صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے ایسی دلچسپ ذمہ داری مجھے سونپی۔ میں خلوص کے ساتھ تحقیقی جہت کی اس ذمہ داری کو محسوس کرتی ہوں۔ میں نے کوشش بھی کی ہے کہ کسی حد تک اس نوعیت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکوں لیکن "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" یہ جو کچھ بھی ہے محض ایک ابتدائی کوشش ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

صادقہ ذکی

---

[1] بیان مولانا سید ابوالحسن ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

دہلی اور اس کے اطراف

ایک سفر نامہ اور روزنامچہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

روز شنبہ ۱۴۔ رجب ۱۳۱۲ھ

آج خدا کے فضل و کرم کے بھروسہ پر میں اپنے سفر کو شروع کرتا ہوں، یہ سفر بھی میرا خدا کے فضل و کرم سے علم دینی کے طلب کی غرض سے ہے، اسٹیشن تک اعزۂ وطن مشایعت میں میرے ساتھ آئے اور تین بج کر بارہ منٹ پر میں پینجر پر سوار ہوا۔ للعہ دہلی تک محصول پڑا، فتح پور پہنچ کر مولوی ظہور الاسلام صاحب سے ملاقات ہوئی وہ شیخ محمد حسین صاحب کو پہنچانے آئے تھے۔ شیخ محمد حسین صاحب حج کو روانہ ہوئے۔ مولوی نور محمد صاحب بھی آئے تھے، اُن سے بھی ملاقات ہوئی۔

دہلی

روز یک شنبہ ۱۵۔ رجب۔ ۱۰ بجے میں دہلی پہنچا، دہلی کو دور سے دیکھ کر بڑی عبرت ہوئی، یہ شہر تقریباً پانسو برس تک مسلمانوں کا دارالسلطنت رہا ہے، اب انگریزی قبضہ میں ہے صدق اللہ تعالیٰ تلک الایام نداولھا بین الناس فانا للہ وانا الیہ راجعون ط اسٹیشن سے بخطِ مستقیم چھتامل کی سرائے آیا۔ یہ سرائے بہت قریب ہے، بلکہ اسٹیشن ہی شہر سے متصل ہے۔ سرائے میں بھائی جی (مولوی خلیل الدین) بیٹھے تھے، ان سے ملاقات ہوئی، اب میں یہاں ٹھہرا ہوں

سرائے

سرائے کے دروازے نہر بہتی ہے جس کا عرض تقریباً ۱۲ ہاتھ ہوگا۔ اس کے اوپر سرائے سے تھوڑے فاصلے پر مسجد ہے۔ یہ مسجد غازی الدین خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ نہر کو پل کے طور پر پاٹ کر مسجد بنائی ہے، ظہر کی نماز میں نے اس میں پڑھی، نماز پڑھ کر میں اور بھائی جی خرامان خرامان

www.abulhasanalinadwi.org

کمپنی باغ دیکھنے گئے، یہ باغ اسٹیشن کے محاذی اور سرائے کے بہت ہی قریب ہے۔ باغ بڑا ہے لیکن معمولی ہے۔

مدرسہ طبیہ باغ سے آکر ہیں مدرسہ طبیہ حکیم فضل اللہ پسر حکیم عماد الحسن صاحب صفی پوری سے ملنے کی غرض سے گیا یہ مدرسہ طبیہ کی جماعت اوّل میں پڑھتے ہیں، آج کل بوجہ قرب امتحان کے ایام تعطیل میں کتابیں یاد کرتے ہیں، ان سے مدرسہ طبیہ کے کم و بیش حالات معلوم ہوئے۔ فن تشریح ڈاکٹری قاعدہ کے موافق خوب ہوتا ہے ایک ڈاکٹر اسی غرض سے مدرسہ میں مقرر ہے۔ جماعت اوّل کے طلبہ مطب میں شریک ہوتے ہیں، مہینہ میں دو ہفتہ حکیم عبد المجید خاں صاحب کے پاس مطب میں نسخہ نویسی کرتے ہیں اور دو ہفتہ سول سرجن کے یہاں شفاخانہ میں طریق علاج دیکھتے ہیں' جماعت اوّل کے طلبہ امتحان کے بعد بھی ایک سال تک مطب کرتے ہیں، اس وقت اُن کو سند دی جاتی ہے۔ ہر جماعت کی خواندگی ایک سال میں ختم ہوتی ہے۔ چار جماعتیں ہیں، خواندگی ہر جماعت کی علیحدہ علیحدہ ہے دوا سازی میں بھی امتحان ہوتا ہے۔

طرز تعلیم اس مدرسہ کا بہت اچھا ہے، مگر طرز مطب جہاں تک میں خیال کرتا ہوں، ناکافی ہے' کیونکہ بیشتر مرکبات کا استعمال ہوتا ہے۔ علاج الامراض کے نسخے مطب میں معمول بہا ہیں۔ بطور خود طلبہ اُن کو یاد کر لیتے ہیں، تاہم کشتہ جات کے نسخے نہیں معلوم ہوتے، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو طلبہ یہاں سے تعلیم چھوڑ کر لکھنؤ چلے جاتے ہیں وہ پست ہمتی سے تعلیم کی محنت کو گوارا نہیں کرتے' ورنہ طرز تعلیم میں بظاہر کوئی نقص نہیں ہے۔

مسجد فتحپوری عصر تک مولوی فضل اللہ کے پاس میں رہا، وہاں سے آکر فتحپوری مسجد میں عصر کی نماز پڑھی، یہ مسجد نہایت عالی شان مسجد ہے، وسط کا درجہ بہت وسیع ہے اس کے دونوں طرف بقدر ایک ایک صنف کے چار چار درجے ہیں۔ ان درجوں کے وسط کے درجے میں محرابوں کے اوپر خط نسخ و کوفی میں آیتیں اور اسماء الٰہی اور کلمہ طیب بہت خوب تحریر ہیں۔ درجۂ وسطانی کے آگے زینے پر منبر کے محاذی مینار نہ بہت خوب صورت اور نہایت سُبک سنگ خارا کا بنا ہے، اس پر نقش و نگار بہت خوب بنائے گئے ہیں۔ صحن مسجد کا بہت وسیع ہے، صحن کے کنارے حوض بہت وسیع بنا ہوا ہے، کئی زینے اتر کر پانی تک پہنچنا ہے، مسجد کے چاروں طرف غلام گردش بہت وسیع ہے، مکانات بہت بڑے بڑے بنے ہیں، اور ان کے باہر سڑک کی طرف دوکانیں ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولوی سید نذیر حسین صاحب کی مجلس

یہاں سے میں مولوی نذیر حسین صاحب سے ملنے کی غرض سے جیش خاں کے پھاٹک کے اندر گیا۔ اتفاق سے راہ میں مولوی صاحب مل گئے، ان کے ساتھ مسجد گیا۔ بعد تعارف کے میں نے مسلسل بالاولیہ کی درخواست کی مگر مولوی صاحب نے تبسم فرما کر دوسرے شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہمارے حضرات کے یہاں یہ کچھ باتیں نہ تھیں، اس کے بعد اور لوگوں سے باتیں کرنے لگے۔

اسی اثنار میں طلبہ نے فتوے پیش کئے، ان کو سنتے رہے، ایک استفسار طلاق کے مسئلے میں تھا سوال یہ تھا کہ زید نے اپنے خسر کو لکھ بھیجا کہ آپ کی بیٹی زیب النسار کو میں نے علی الاتصال ایک سال تک تین طلاق دی، اس سوال پر طالب علم نے کہا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس میں تخاطب شرط ہے، یہاں تخاطب نہیں ہے مولوی صاحب نے کہا کہ تخاطب کئی طرح کا ہوتا ہے، ایک تخاطب بالتسمیہ، دوسرا تخاطب بالخطاب، تیسرا تخاطب بالاشارہ، یہاں تخاطب بالتسمیہ ہے، اس کے بعد اس کو نصیحت کی کہ خوب غور و فکر سے مسئلہ کو دیکھا کرو۔ اس کے مناسب یہ حکایت بیان کی کہ مصنف "بحر الرائق" دو بھائی تھے، بڑے بھائی بحر الرائق کے مصنف ہیں، دوسرے ابن نجیم، بڑے بھائی کے متعلق افتا تھا، دوسرے کے متعلق تدریس، ایک مرتبہ بڑے بھائی بیمار ہوئے، ان کی جگہ پر چھوٹے بھائی وہ کام کرنے لگے ایک مرتبہ ایک رئیس نے یہ سوال بھیجا کہ میں حمام میں جاتا ہوں، میرے ساتھ حواری بھی ہوتی ہے ہم سب کا برہنہ ہونا جائز ہے یا ناجائز انھوں نے لکھ دیا کہ جائز ہے۔ لکھ کر بھیج دیا، اس کے بعد بڑے بھائی سے ذکر کیا، انھوں نے کہا کہ تم نے بالکل غلط جواب دیا، گو سائل کو ان حواری کا برہنہ دیکھنا جائز ہے لیکن ان کو باہم ایک دوسرے کو برہنہ دیکھنا نادرست ہے۔

دوسری حکایت یہ بیان کی کہ مفتی یوسف صاحب لکھنوی کے پاس یہ سوال آیا کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کی حقیقی بہن سے نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی، آیا نسب صحیح ہے اور وہ ترکہ کا مستحق ہے یا نہیں۔ انھوں نے جواب لکھا نسب صحیح ہے اور جب نسب صحیح ہے تو ترکہ بھی پا سکتا ہے، یہ جواب مفتی صدر الدین خاں صاحب کے پاس آیا، تو میں نے کہا کہ یہ غلط ہے، نکاح فاسد کی صورت میں نسب متحقق ہوتا ہے۔ مگر ترکہ کا استحقاق حاصل نہیں ہوتا، مفتی صاحب کو بہت استعجاب ہوا۔ میں نے کہا افتا اور چیز ہے اور تدریس اور چیز لکل فن رجال ان باتوں کے بعد مغرب

www.abulhasanalinadwi.org

کا وقت آگیا، میں نے بھی نماز وہیں پڑھی، نماز میں اکثر بلکہ کل غیر مقلد تھے۔ نماز کے بعد رفع ایدی فی الدعاء کا دستور نہیں ہے، نماز کے بعد مولوی صاحب اپنی صاحبزادی کے گھر گئے۔ رات کے کھانے کا شاید یہیں معمول ہے، اور میں ایک طالب علم سے درس کے اوقات پوچھ کر سرائے واپس آیا۔

مولوی سید نذیر حسین صاحب کا درس

روز دوشنبہ ۱۶۔ رجب حوائج ضروری سے فارغ ہو کر ۸ بجے مولوی نذیر حسین صاحب کے مدرسہ گیا، بخاری شریف کا درس ہو رہا تھا، شریک ہو گیا، ۱۱ بجے تک متعدد کتابوں کے درس ہوئے، سب میں شریک رہا، ابتدا میں معمولی طریقہ تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد معمول سے زیادہ مولوی صاحب ممدوح موشگافیاں فرمانے لگے، میرا گمان یہ ہے، وان بعض الظن اثم کہ پیشتر مولوی صاحب نے درس کی مشغولی کی وجہ سے مجھ کو نہیں دیکھا، جب انھوں نے مجھ کو دیکھا، تو اس کے بعد ہی انھوں نے طرز بدل دیا، ۱۱ بجے اٹھے، میں بھی ساتھ ہی ساتھ اٹھا، مجھ سے فرمایا کیسے چلے؟ میں نے عرض کیا کہ صرف سماعت کی غرض سے حاضر ہوا تھا، کہنے لگے میاں تم پڑھے لکھے ہو جوان صالح ہو، کہیں بیٹھ کر خود پڑھاؤ، میں بوڑھا آدمی، کثیر الامراض، ہوش و حواس باختہ، ستر ابہترا ہوں، میرا پڑھنا پڑھانا گیا، از سر تا پا عوارض میں مبتلا ہوں، اس کا جواب میں نے مناسب الفاظ میں دیا، جیسا ایک ارادت مند کو زیبا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ پھر صبح سے آیا کرو تاکہ سب سبقوں میں شریک ہو سکو، میں سلام کر کے واپس آیا۔

مولوی حفیظ اللہ صاحب دہلوی واعظ

راستہ میں معلوم ہوا کہ آج دوشنبہ کا دن ہے، مولوی حفیظ اللہ صاحب واعظ دہلی غازی الدین خاں کی مسجد میں اس دن ہمیشہ صبح سے وعظ فرماتے ہیں۔ میں بھی جا کر وعظ میں شریک ہوا۔ سورۂ یونس کا بیان تھا، وعظ سن کر سرائے واپس آیا۔

مولوی سید نذیر حسین صاحب کا درس

ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر پھر میں گیا۔ درس ہو رہا تھا، بخاری شریف کے درس کے بعد ہدایہ کا درس شروع ہوا، یہ بالکل معمولی تھا۔ قاری ترجمہ بھی نہیں کرتے تھے، کہیں کہیں حاصل ترجمہ مولوی صاحب بیان کر دیتے تھے۔ کہیں پر قاری صاحب، اس کے بعد اور سبق حدیث کے

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئے، پھر عصر کی اذان ہوئی، نماز میں بھی شریک ہوا، ایک مثل کے بعد ہی نماز ہوئی، نماز کے بعد لوگوں نے دعا مانگی، میرا خیال غلط تھا، رفع ایدی کے ساتھ بعض بعض لوگوں نے دعا کی، اور بعض قبل دعا کے اُٹھ گئے، مولوی صاحب بھی سلام پھیرتے ہی قبل دعا کے اُٹھ کر جائے درس پر جا کر بیٹھ گئے، نماز دوسرا شخص پڑھاتا ہے نماز کے بعد بھی دو ایک سبق ہوئے۔

چاندنی چوک اور جامع مسجد

اس سے فارغ ہو کر ۴ بجے کے بعد مولوی صاحب مکان گئے اور میں بھی واپس آیا، وہاں سے آکر دیکھا تو بھائی جی نہ تھے، تفریحاً کہیں چلے گئے تھے، میں بھی چاندنی چوک کی طرف تفریحاً چلا، دل میں آگیا کہ چاندنی چوک کی پوری سیر کر لینی چاہیئے، اس خیال میں قلعہ تک چلا گیا، واقعی اس میں شک نہیں کہ یہ شہر اپنے حسن و لطافت میں بے نظیر ہے، قلعہ تک پہنچ کر واپس ہوا، تھوڑے ہی فاصلے سے جامع مسجد کو سڑک جاتی تھی اس پر ہو لیا، جامع مسجد پہنچ کر اُس کی حسن و خوبی کے لحاظ سے حیرت ہو گئی، میں دیر تک ششدر اس کے نقش و نگار کو دیکھتا رہا، مجھ میں واقعی اتنی قدرت نہیں کہ اس کی واقعی تعریف کر سکوں، اور اس کے واسطے ایک دفتر درکار ہے:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

وہ ایک خدا کی عظمت کا نمونہ ہے، گویا فرشتوں نے اپنے پاک ہاتھوں سے اس کی تعمیر کی ہے یا شاہجہاں انار اللہ برھانہ کی نیک نیتی کی مجسم تصویر ہے جب تک رہا محوِ حیرت رہا۔ یورپین مرد و عورت جوق جوق دیکھنے کو آتے ہیں اور جوتے پہنے ہوئے تمام مسجد میں گشت کرتے ہیں، مغرب کا وقت آگیا اور میں نے مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ وہیں ادا کی، نماز کے بعد میرے دل نے بے اختیار مجھ کو آمادہ کیا کہ بانی مسجد کے واسطے دل سے دعا کروں، چنانچہ میں نے دعا کی، اس کے بعد وہاں سے سرائے واپس آیا۔

اب تک مجھ کو اجنبیت کی وجہ سے اور نیز مولانا سید نذیر حسین کے یہاں دونوں وقت حاضر ہونے کی وجہ سے اس بات کا موقع نہیں ملا کہ شہر خموشاں کی سیر کروں اور مشائخ کی ارواح کو فاتحہ پہنچاؤں یہ بات یاد سے جاتی رہی کہ مولانا ممدوح نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تم سرائے میں ٹھہرے ہو، بے سود خرچ

www.abulhasanalinadwi.org

کثیر کے کب تک متحمل ہوسکو گے۔ یہاں اٹھ آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میرے بھائی پیشتر سے علاج کی غرض سے وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، انہی کے پاس اگر ٹھہر گیا، اگر تنہا ہوتا تو بیشک یہاں اٹھ آتا۔ رات بھر بارش خوب ہوئی، راستہ خراب ہوگیا ہے، چلنے کے قابل نہیں۔

مولوی سید نذیر حسین صاحب کا درس

روز سہ شنبہ ۱۷ رجب۔ اس وقت بھی ابر و باد ہے، اور راستہ بالکل خراب ہے لیکن میں مولانا ممدوح کے پاس جانے کو تیار ہوں، بجے مولوی صاحب کی درسگاہ جو میرے قیام گاہ سے بہت قریب ہے گیا، راستہ ایسا خراب ہے کہ چار قدم چلنا مشکل معلوم ہوتا ہے، وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ بخاری شریف کا سبق شروع ہوگیا ہے، اس میں شریک ہوگیا، اس کے بعد مقدمۂ صحیح مسلم ہوا۔ بالکل سادہ درس ہے مالہ وماعلیہ سے بحث نہیں ہوتی، اس کے بعد بیضاوی کا سبق شروع ہوا، مولوی صاحب کے بھتیجے مولوی عبدالحفیظ ہیں، اس کا سبق بالکل خراب ہوتا ہے، پڑھنے والے قطعاً نہیں سمجھتے، عبارت بالکل غلط پڑھتے ہیں، جس سے سننے والا بھی صحیح مطلب اخذ نہیں کرسکتا، مولوی صاحب کی نسبت سوءِ فہم کا گمان سوءِ ظن ہے، کیا عجب ہے کہ کبرسنی کی وجہ سے اخذ مطلب کے متحمل نہ ہوسکتے ہوں، شواہد میں عشیٰ کا ایک شعر آگیا، اس میں دیر تک قاری اور سامع متوجہ رہے مگر پھر بھی ناکامیاب ہوئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حل الابیات ہمارے پاس ہے، اس میں خوب حل کردیا ہے۔ میرے دل میں بار بار آتا تھا کہ میں کچھ بولوں، مگر مولوی صاحب کی خفگی کی وجہ سے نہیں بولا، وہ جلد خفا ہوجاتے ہیں اور طالب علموں کو الفاظ سخت و درشت کہتے ہیں ..... یہ مصرع بہت پڑھتے ہیں ع

عیسیٰ کے اصطبل میں کوئی خر بھی چاہیئے

اور طالب العلم ان کا سننا بھی فخر و سعادت سمجھتے ہیں، بیروسیاہ ان باتوں کے سننے کو بسبب اجنبیت کے گوارا نہیں کرسکا۔ افسوس ہے کہ بیضاوی بالکل نام ہی کے واسطے پڑھی جاتی ہے، کاش اس کی جگہ پر حدیث کا سبق ہوتا، تو گو وہ نہ سمجھیں، لیکن الفاظ نبوی کے ادا ہونے سے ثواب میں داخل ہوتے۔ مولوی صاحب نے اثنائے سبق میں بیضاوی کی نسبت بھی الفاظ نا ملائم کہے، کہ وہ فلسفی تھا، کچھ نہیں سمجھا آیات بینات کو اپنی قابلیت جتلانے کے واسطے مشکل کردیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کبھی اس کو نہیں دیکھتے تھے، ان کو اس کی طرف بالکل اعتنا نہ تھا۔ الیٰ آخرہ

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے بعد اور سبق ہوتے رہے، میں نہایت خاموشی کے ساتھ سنتا رہا، طالب العلم اکثر سمجھ دار بھی ہیں، لیکن متعصب اور بیباک، حنفیہ کے اقوال کی طرف بالکل اعتنا نہیں کرتے، بلکہ کبھی کبھی نام آتے ہی ناک بھوں چڑھاتے ہیں، ۱۱ بجے وہاں سے واپس آیا، ظہر کی نماز پڑھ کر پھر مولوی صاحب ممدوح کے یہاں گیا، کچھ میں سویرے گیا تھا، کچھ مولوی صاحب کے آنے میں دیر ہوئی، اس اثنا میں مولوی ابوالحسن صاحب ممدوح کے پوتے نے مجھ سے کہا کہ آپ کو اگر سند لینا ہو تو میاں صاحب سے کہیے۔ میں نے کہا کہ بیشک ارادہ ہے، ایک دو روز میں عرض کروں گا۔ تھوڑی دیر میں مولوی صاحب تشریف لائے، بخاری کا سبق شروع ہوا، اس کے بعد ہدایہ کا سبق ہوا، سبق اسی طور پر معمولی تھا۔ اس کے بعد اور سبق ہوتے رہے، یہاں تک کہ عصر کی نماز ہوئی، میں نماز پڑھتے ہی چلا آیا، کیونکہ آج مجھ کو حکیم صاحب کے یہاں جانا تھا۔ وہاں سے آکر بھائی جی کے ساتھ حکیم صاحب کے یہاں گیا، حکیم صاحب نہ تھے، بھائی جی اُن کے انتظار میں بیٹھے رہے، میں مولوی فضل اللہ سے ملنے چلا گیا، اتفاق سے وہ بھی نہ ملے، وہاں سے لوٹ کر میں نے قمرالدین برادر زادہ قاضی امیر علی کو مدرسہ میں تلاش کیا، وہ وہاں نہ تھے۔ دوسری جگہ تلاش کرنے سے ملے۔ ان سے میں نے کہا کہ ایک کلام مفید تمہارا میں لایا ہوں، کل ۱۱ بجے آکر لے لو، غالباً وہ کل آویں۔

میں وہاں سے چاندنی چوک آیا، قصد تھا کہ جامع مسجد جاکر وہاں کسی سے تعارف پیدا کرکے یہاں کے مقامات کے حالات پوچھوں، مگر راستہ میں ایک پادری اور دوسرے مسلمان مولوی سے مناظرہ ہو رہا تھا، اس کو سننے لگا، اتنے میں مغرب کا وقت آگیا۔ میں فتح عزیمت کرکے لوٹا، کیونکہ جامع مسجد دور تھی، اثنائے راہ میں مسجد فتحپوری میں نماز پڑھ کر اس وقت قیام گاہ پر واپس آیا ہوں۔

افسوس ہے کہ مولانا نذیر حسین صاحب کے یہاں دونوں وقت حاضر ہونے کی وجہ سے اب تک یہاں کے دوسرے اماجد و نیز مقامات متبرکہ کی سیر کا موقع نہیں ملا، اگر مغرب کے قریب کچھ وقت ملتا ہے تو وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ دور دراز مقامات کی سیر ہو سکے، راستہ ایسا خراب ہے کہ چار قدم چلنا بھی مشکل ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مولوی نذیر حسین صاحب بہت خوش مزاج ہیں، مطایبہ بہت کرتے ہیں، ان کو اشعار بہت یاد ہیں۔ سبق میں اکثر اشعار خواجہ حافظ وغیرہ کے اور اردو کی مثلیں اور محاورات استعمال کرتے ہیں طالب العلموں کو اس طور پر ڈانٹتے ہیں کہ

www.abulhasanalinadwi.org

ان کو ناگوار نہیں ہوتا، گو سخت الفاظ میں ہو، غصہ در بھی معلوم ہوتے ہیں، اپنے خلاف بات سننے کے متحمل نہیں ہیں، حنفیہ کے ساتھ تعصب بھی بہت ہے۔ مولوی صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعض انداز ہمارے مولانا فضل رحمٰن سلمہم اللہ تعالیٰ سے بہت ملتے ہیں، مزاج میں سادگی بہت ہے۔

روز چہار شنبہ ۱۸ رجب

صبح کو حوائج ضروری سے فارغ ہو کر درسگاہ گیا۔ آج بہ نسبت اور دنوں کے سویرے آیا ہوں۔ ترجمہ کلام مجید کا سبق ہو رہا ہے، اس سبق میں اس قدر لوگ شریک ہیں جن سے مسجد اندر اور باہر بھری ہوئی ہے۔ تقریباً چالیس پچاس آدمی ہوں گے۔ کل طالب علم و بعض بعض شائقین حلقۂ درس میں بیٹھے ہیں، صبح کی نماز کے بعد ہر روز سب سے پیشتر ترجمہ کا سبق ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کا معمول ہے کہ اثنائے سبق میں اکثر تمثیلیں اور حکایات واشعار بیان کرتے ہیں، اس سبق کا بھی وہی دستور ہے، ایک شخص پڑھتا جاتا ہے اور خود حاصل مطلب بیان کرتے جاتے ہیں۔

علمائے دہلی کی حکایات

اس سبق کے بعد مقدمہ صحیح مسلم شروع ہوا، لوگ متفرق ہو گئے طالب العلم رہ گئے، اثنائے سبق میں مولوی فضل حق و مفتی صدر الدین صاحب مرحوم کے قصے بیان کیے کہ یہ ارباب دنیا تھے، اسی وجہ سے دنیا میں بھی بحیثیت مدین کے ان کی وقعت کم تھی۔ یہ قصہ بھی بیان کیا کہ مولوی اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلی ماران کی مسجد میں وعظ کہتے تھے، چونکہ مولوی فضل حق کو ان سے تعصب تھا، اور وہ رشتہ دار محکمہ فوجداری میں تھے، اس واسطے انھوں نے کوتوال کو وعظ سے روکنے کے واسطے بھیجا، کوتوال مولوی صاحب کے وعظ سے ایسا متاثر تھا کہ روتا ہوا مولوی صاحب کے سامنے آیا اور کہا کہ میری کیا طاقت جو وعظ سے منع کروں، لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ یہ حکم دیتے ہیں۔ میں مجبور ہوں، یہاں سے نکل کر آپ بیان کریں تو مناسب ہے۔

اس کا انجام دیکھیے کہ مولوی صاحب ایک شادی میں شریک تھے، گرمیوں کے دن تھے۔ پلاؤ کھایا ہوگا۔ ناچ رنگ ہو تا رہا جس مکان کے بالاخانہ پر یہ جلسہ تھا وہاں جتنے ظروف پانی کے تھے سب میں کسی نے جمال گوٹہ ملا دیا اور آمد و شد کا راستہ بند کر دیا، یعنی زینہ کے دروازے میں باہر سے قفل لگا دیا۔ وہاں پلاؤ کھانے کی وجہ سے پیاس کی شدت میں لوگ خوب پانی پیتے رہے، اور دست آنے

www.abulhasanalinadwi.org

شروع ہوئے، حاضرین وارباب نشاط سب اس مصیبت میں بتلا ہوگئے۔ راستہ بند ہونے سے اور پریشانی پھیلی، وہیں سب اپنی اپنی حالت میں تھے، اور شدت گرمی سے پانی پیتے جاتے تھے، کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ اس پانی میں زہر گھلا ہوا ہے۔ رات کو جو پولیس کے جوان روند میں ادھر آنکلے تو شور وغل سن کر اوپر چڑھے، دروازہ توڑا تو لوگوں کی یہ حالت دیکھی، ان میں مولوی صاحب بھی تھے، جیسی کچھ تفتیش ان کو ہوئی وہ ظاہر ہے، کسی کو یہ بات نہ سوجھی تھی کہ پانی ہی میں یہ بلا ہے، پیتے تھے اور دست پر دست آتے تھے، آخر الامر کسی کو یہ بات سوجھ گئی اس نے کہا یارو کہیں پانی میں کسی نے کچھ شر نہ کیا ہو، اس کے سنتے وہ لوگ رک گئے۔

اثنائے سبق میں اس بات کا بھی ذکر ہوا کہ بعض بڑے عابد زاہد ہوتے تھے، لیکن حدیث میں معتبر نہیں، اس پر فرمایا کہ مثلاً خواجہ معین الدینؒ، قطب صاحبؒ فرید شکر گنج، سلطان جی وغیرہ یہ سب اپنے واسطے سب کچھ سہی، لیکن وہ محدث نہ تھے، خواجہ صاحب کی کتاب ہے، توبہ توبہ اس اس کو دیکھ کر ہم ایسوں کو وسوسہ ہونے لگتا ہے۔ سلطان جی البتہ جانتے بوجھتے تھے، ہاں البتہ پیران پیر (حضرت شیخ عبد القادر جیلانی) اور مجدد (مولانا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی) صاحب بڑے عالم تھے، اب جاہلوں کو بزرگوں کی سند لانا حماقت ہے، وہ اپنے واسطے عابد وزاہد سہی، لیکن اُن کو علم سے کیا نسبت، اس سبق کے بعد صحیح بخاری کا سبق ہوا، پھر مشکوٰۃ المصابیح کا، پھر صحیح بخاری کا، پھر جلسہ برخاست ہوا۔

خواجہ باقی باللہ کا مزار

میں قیام گاہ پر واپس آیا، کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کے واسطے لیٹ گیا، نیند آگئی اور آنکھ دیر میں کھلی اُٹھ کر نماز پڑھی، اس کے بعد میں نے خیال کیا کہ آج دیر ہوگئی ہے۔ جلسۂ درس میں اب جانا فضول ہے، آج چلو زیارت ہی کر آئیں' اس تہیہ سے جو میں اُٹھا تو بھائی جی بھی ساتھ ہوگئے۔ اجنبیت کی وجہ سے راستہ دریافت کرنے کی ہر جگہ ضرورت ہوئی، اور کہیں کہیں چکر بھی کھا گئے۔ تاہم لاہوری دروازہ گئے۔ وہاں سے فصیل پر ہو کر فراش خانہ کی کھڑکی تک برابر فصیل فصیل گئے وہاں سے شہر کے باہر نکل کر اولاً خواجہ باقی باللہ کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر خواجہ کلاںؒ خلف الرشید خواجہ صاحب ممدوح کے مزار پر گئے، وہاں سے خواجہ خردؒ کے مزار پر آئے جو خواجہ باقی باللہ صاحب کے مزار کے قریب ہی ہے۔ ان بزرگوں کے مزاروں پر فاتحہ

www.abulhasanalinadwi.org

پڑھ کر مسجد آئے، یہ بالکل متصل ہے۔ اُن کے مزار پر انوار کی مسجد کے ایک جانب ان کا مزار ہے، دوسری جانب اخوند شاہ عبدالعزیز صاحب کا مزار ہے، اُن کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر واپس ہوئے۔ اس جگہ ایک شہرِ خموشاں ہے، جدھر نگاہ جاتی ہے مزاری مزار ہیں، خواجہ صاحب کے مزار سے آتے ہوئے عین راستہ پر ایک قبر ملتی ہے اس پر لکھا ہے کہ "للہ اس پر بھی فاتحہ پڑھتے جاؤ"۔ اس کو دیکھ کر میں ٹھہر گیا اور خاصتہً اس مزار بھی فاتحہ پڑھا۔

قدم شریف

وہاں سے نزدیک قدم شریف ہے، آبادی کے اندر یہ آبادی بہت پرانی معلوم ہوتی ہے، ایک قلعہ ہے، اس قلعہ کا نشان مسلمانوں کی عملداری سے پیشتر تک معلوم ہوتا ہے، بہت قدیم اور پرانا اور بوسیدہ قلعہ ہے، اس کے اندر جاکر پھر ایک کوٹ ملتا ہے، وہ قدم شریف کے نام سے موسوم ہے، اندر ایک مسجد ہے اور مسجد کے متصل صحن کے برابر بہت سی قبریں ہیں۔ یہ قبریں شاہزادوں اور نواب زادوں کی ہیں، ان قبروں سے نکل کر ایک بلند مکان قبہ دار ہے۔ جس میں متعدد درجے ہیں، بیچ میں ایک تابوت جالدار رکھا ہے۔ اس پر ایک پتھر غالباً سنگِ خارا کا ٹکڑا ہے، اس پر قدم رسول کا نشان بتایا جاتا ہے، اس میں پانی بھرا ہے، جب بٹھایا جاتا ہے تو وہ نشان نظر آتا ہے، میں نے غور سے دیکھا لیکن پانی کی وجہ سے مجھ نظر نہیں آیا۔ وہی پانی تبرکاً مجاور لوگوں کو دیتا ہے، وہ لوگ تبرکاً اس کو چہرہ پر ملتے ہیں، اور کچھ پی بھی جاتے ہیں، مجھ سے بھی اس نے کہا، لیکن میں نے اعتنا نہیں کیا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ قدم شریف حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اپنے فرقِ مبارک پر رکھ کر عرب سے لائے، اس وقت اس کے واسطے یہ عمارتیں بنائی گئیں اور جب ہی سے یہاں رکھا ہے، چھاٹک پر ایک دوکان عطار کی ہے، وہ بزرگ ایک ٹوکری میں گلاب کے پھول رکھے ہوئے ہیں، جو اندر جاتا ہے یہیں سے پھول چڑھانے کو لے جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ صاحب کے خاندان کے مزار

وہاں سے نکل کر پھر شہر کی طرف آئے۔ شہر میں فراشخانہ کی کھڑکی ہوکر داخل ہوئے، وہاں سے آتے آتے فراشخانہ کے چھاٹک تک جو شہر کے اندر بازار کی طرف ہے وہاں ایک بچہ کرکے ہندیوں کی طرف چلے، یہاں سے یکہ کرکے جامع مسجد کی پشت پر ہوتے ہوئے دہلی دروازہ سے نکل کر کوٹلہ پہنچے وہاں معلوم ہوا کہ ہندیاں دوسری جانب ہے، دریافت کرکے اس طرف چلے، جیل خانہ کے پشت پر ہندیاں ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

یکہ کو سڑک پر چھوڑ کر پیادہ پا وہاں گئے، ایک مسجد ہے اور مسجد کے احاطہ میں اور اس کے باہر قبرستان ہے پہلے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مزاروں کی تفتیش کی، کوئی شخص مجاور کی قسم سے یہاں نہ تھا جس سے معلوم ہوتا، اکثر مزاروں پر لوح نہ تھی، اور جن پر تھی وہ قریب العہد معلوم ہوتی تھی، مسجد کے داہنے جانب مزارات پرانے معلوم ہوتے تھے، ان پر گمان ہوا کہ شاید یہ ہوں لیکن کوئی وجہ قاطع نہ تھی، اور طبیعت بھی پیچھے کو ہٹتی تھی، میں نے دل میں خیال کیا کہ جو ارتباط مجھ سے اور ان بزرگوں سے ہے وہ خود راہبری کرے گا، اسی فکر میں وہاں سے مایوس ہو کر لوٹا، اور سخت تلملان تھا کہ جس واسطے آیا وہ بات نہ حاصل ہوئی جیسے ہی منہ پھیرا مسجد کے بائیں طرف دو تین مزاروں پر کچھ تحریر نظر آئی۔ دیکھا تو شاہ عبدالرحیمؒ اور شاہ ولی اللہؒ لکھا تھا، ان مزاروں پر پہنچ کر فاتحہ پڑھا، ان کے پائتی شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ صاحب کا مزار تھا، ان دونوں پر فاتحہ پڑھا اور شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کا مزار پُر انوار جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار کے پاس مغرب کے جانب تھا اس پر فاتحہ پڑھا، اور سورۂ قرآنی مثل الھاکم التکاثر و سورہ یٰسین وغیرہ کو پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا، طبیعت کو اس قدر دلبستگی ہوئی کہ دیر تک وہاں بیٹھا رہا اور خدا سے ان لوگوں پر رحمت نازل فرمانے اور اپنے لیے حصول علم و عمل کی دعا کرتا رہا، قبل مغرب وہاں سے اٹھ کر پھر شہر کی طرف روانہ ہوا، مغرب کی نماز قیام گاہ کے قریب جو مسجد ہے، وہاں آکر پڑھی۔

درسِ حدیث

روز پنجشنبہ ۱۹ رجب۔ آج صبح کو اٹھ کر حوائجِ ضروری سے فراغت کر کے درس گاہ گیا۔ ترجمہ کا سبق ہو رہا تھا، اس کے بعد مقدمۂ صحیح مسلم شروع ہوا، اس کے بعد صحیح بخاری کا سبق ہوا، اثنائے سبق میں کتاب الحیض میں اس کا ذکر تھا کہ اقل مدت طہر کی امام صاحب کے نزدیک ۱۵ دن ہیں، اس پر مولوی صاحب بہت برہم ہوئے کہا خانہ ساز بات ہے، کوئی حدیث اُن کے پاس نہیں ہے۔ طہر کی کوئی مدت نہیں، حائضہ کی رائے پر ہے، حدیث میں کوئی تحدید نہیں ملی۔

آج کل مولوی صاحب کے یہاں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح ہدایہ اور بیضاوی ہوتی ہیں، بخاری شریف چار پانچ جگہ ہوتی ہے، اور صحیح مسلم صرف دو جگہ، اور اکثر ان کے یہاں صحاح میں صحیحین اور جامع ترمذی ہوتی رہتی ہیں، ابی داؤد۔ ابن ماجہ، نسائی وغیرہ نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتیں، میں نے دریافت کیا کہ ابی داؤد بہت مشکل کتاب ہے یہ کیوں نہیں ہوتی، تو معلوم ہوا کہ اس کا کوئی صحیح نسخہ نہیں ملتا، اس وجہ سے متروک ہے۔

اوقات

اوقات سبق کے یہ ہیں کہ طلوعِ آفتاب سے تقریباً گیارہ بجے تک، اور دو بجے سے چار بجے تک۔ اس عرصے میں ۳ بجے کے قریب عصر کی نماز بھی ہو جاتی ہے، چار بجے گھر چلے جاتے ہیں۔ پھر قبل مغرب آتے ہیں، اس وقت جس کو جو پوچھنا ہوتا ہے وہ پوچھتا ہے، جس کو ملاقات کرنا ہوتا ہے وہ ملاقات کی غرض سے آتا ہے، مغرب کے بعد گھر چلے جاتے ہیں، عشا اور صبح کی نماز گھر میں پڑھتے ہیں، کھانا دونوں وقت اپنی بیٹی کے گھر میں کھاتے ہیں، اور رات کو پوتوں کے یہاں سوتے ہیں، دو پوتے ہیں، ایک کا نام عبدالسلام ہے اور دوسرے کا نام ابوالحسن، آج کل عبدالسلام مقدمہ صحیح مسلم پڑھتے ہیں، صبح کو ترجمہ کے بعد ان کا سبق ہے، اور افتار کا کام انہی کے متعلق ہے، انھوں نے قطبی تک درسیات پڑھی ہیں، ہدایہ وغیرہ بھی پڑھا ہے، صحاح ایک مرتبہ پڑھ چکے ہیں، اور ابوالحسن کے دو سبق ہیں ایک صحیح مسلم کا اور دوسرا صحیح بخاری کا، ایک مولوی صاحب کے بھتیجے ہیں عبدالحفیظ وہ آج کل ہدایہ اور بیضاوی پڑھتے ہیں۔ انھوں نے بھی درسیات میں صرف مختصرات پڑھی ہیں۔

شاہ محمد عمر صاحب

حسبِ معمول گیارہ بجے کے قریب قیام گاہ پر ہیں واپس آیا، کھانا کھا کر قیلولہ کے بعد ظہر کی نماز مسجد میں پڑھی، اس کے بعد ارادہ ہوا کہ شاہ محمد عمر سے جو اخوند صاحب کے نواسہ مشہور ہیں، ملاقات کرنے کو جاؤں، وہ فراش خانہ کی کھڑکی کے پاس رہتے ہیں، اور اخوند صاحب کے سجادہ نشین ہیں، وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ خلوت خانہ میں ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مولوی فریدالدین صاحب کے بیٹے اور حافظ اکرام الدین صاحب مصنف تفسیر سورۂ فاتحہ کے پوتے ہیں، اور اخوند صاحب مجرد تھے، ان کے بھائی کے نواسہ ہیں، یہ بھی مجرد ہیں، عمر چالیس کے قریب ہے، اوقات کے بہت پابند ہیں، شب کو خلوت خانہ میں آرام کرتے ہیں، دو ڈھائی بجے سے اٹھ کر اذکار و اشغال میں مصروف رہتے ہیں، صبح کی نماز پڑھ کر پھر حجرہ میں چلے جاتے ہیں، اور دس بجے تک کنڈی بند رہتی ہے، اس کے بعد نکلتے ہیں، واردین و صادرین سے ملتے ہیں، پھر اندر چلے جاتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے واسطے نکلتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

میں بیٹھا تھا کہ وہ اندر سے نکل کر مصلے پر کھڑے ہو گئے، میں بھی نفل کی نیت سے شریک ہو گیا، نماز کے بعد معمولاً ختم خواجگان کے واسطے بیٹھے۔ میں بھی جا کر بیٹھا، معمولی تعارف مجھ سے ہوا۔ اثنائے گفتگو میں مجھ سے کہا کہ آپ کہاں بیعت ہیں، میں نے کہا اپنے ہی خاندان میں، اس کے بعد میرے خاندان کے سلسلہ کا حال پوچھنے لگے، میں نے سب بیان کیا، پھر میں نے کہا کہ رسالہ فخر الحسن کے دیکھنے کا مجھ کو بہت شوق ہے، آپ کے یہاں ہو تو عنایت فرمائیے کہا میرے یہاں نہیں ہے، مگر میں نے دیکھا ہے، وہ عربی میں ہے، اس کی ایک شرح ہے۔ القول المستحسن، وہ بھی عربی میں ہے، میں نے کہا کہ خاندان نقشبندیہ کے سلسلے میں بھی انقطاع بیان کیا جاتا ہے، کہنے لگے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی اور حضرت بایزید بسطامی کا لقا ثابت نہیں ہے، میں نے کہا دوسرے طور کا اور بھی ہے، یعنی قاسم اور حضرت سلمانؓ کے لقا میں گفتگو ہے، کہنے لگے یہ مجھ کو معلوم نہ تھا، آج معلوم ہوا، پھر مجھ سے کہا یہ کہاں سے معلوم ہوا، میں نے کہا کتب طبقات سے، کہنے لگے، آپ نے دیکھی ہیں؟ میں نے دو چار کتابوں کے نام لئے، پھر پوچھا آپ نے تحصیل کہاں کی ہے، میں نے کہا لکھنؤ میں، کہا حدیث کس سے پڑھی ہے؟ میں نے کہا شیخ حسین صاحب محدث یمنی سے، اور مسلسل بالاولیہ کی روایت شاہ ابوالحسن صاحب مارہروی سے بھی حاصل کی ہے، اس کے بعد پوچھتے رہے کہ شاہ صاحب سے کہاں ملاقات ہوئی، میں نے سب حال بیان کیا، یہ بھی کہا کہ مجھ کو شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ سے سند حاصل کرنے کا بہت شوق تھا، اس وجہ سے زیادہ تر میں نے اُن سے سند لی، پھر پوچھا کہ یہاں کیوں کر تشریف لائے؟ میں نے کہا کہ زیارت قبور مشائخ و ملاقات اکابر وقت کے لیے، اور آپ کی خدمت میں اس لئے کہ زیارت بزرگوں کی باعث کفارہ گناہ ہے، اور یہ بھی خیال ہے کہ اپنی استعداد کے موافق کچھ استفادہ حاصل کروں، اس کو سن کر نہایت ہی تواضع و انکسار کی راہ سے کہنے لگے کہ حضرت میں تو آپ ہی بزرگوں کا خوشہ چین ہوں، نہ پڑھا نہ لکھا، گلستاں بوستاں کچھ پڑھ لی ہے، بدنام کنندۂ بزرگان ہوں، اور انہی کی جوتیاں اٹھاتا ہوں، اور اسی کو باعث نجات جانتا ہوں، میری شکل و صورت دیکھ کر لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہوگا، ورنہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، آپ میرے واسطے دعا کیجئے، آپ کی دعا کی برکت سے خدا میری مغفرت فرمائے۔ میں اس کا جواب مناسب الفاظ سے دیتا رہا۔ اس کے بعد رخصت ہوا۔ رخصت کے وقت نصف قد تعظیم

www.abulhasanalinadwi.org

کے واسطے آئے تھے، میں چلا آیا۔

یہ بزرگ نہایت سنجیدہ فہمیدہ خوش رو و خوش پوشاک و خوش خلق ہیں، تکیہ ورقیت میں اُن کو بہت دخل ہے، اخوند عبدالعزیز صاحب کے صاحب سجادہ ہیں، وہ حضرت اچھے میاں مارہروی کے خلیفہ تھے۔

کتابوں کی نایابی

اُن کے یہاں سے اُٹھ کر عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد میاں صاحبؒ کی خدمت میں گیا، دیر تک صحبت رہی، مختلف قسم کی باتیں کرتے رہے، کتابوں کا کچھ ذکر آیا، کہنے لگے، اب اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا ہے کہ افراط کے ساتھ کتابیں ملتی ہیں، جو کتابیں خواب وخیال میں نہ تھیں وہ اب کوڑیوں کے مول ملتی ہیں۔ عالمگیری عزیز الوجود تھی، گورنمنٹ نے کلکتہ میں غدر سے پہلے چھپوائی، وہ نوے روپے کو ملتی تھی، تفسیر کبیر تین سو روپے کی، ایک نسخہ بادشاہ کے یہاں تھا، جب شاہ عبدالعزیز صاحب کو ضرورت ہوتی تھی تو بادشاہ کے یہاں سے منگوا کر دیکھتے تھے، فتح الباری کو کوئی جانتا بھی نہ تھا، دہلی بھر میں صرف تین جگہ چند چند اجزاء اس کے تھے، تمام دہلی میں بخاری کے صرف اٹھارہ نسخے تھے، بعض بعض فیاض لوگوں نے بخاری کے پارے پارے الگ کر لیے تھے، کسی طالب علم کو پہلا پارہ دے دیا، کسی کو دوسرا، یوں طالب علموں کو پڑھنا میسر آتا تھا۔ میں جب ترمذی میاں صاحب (مولانا شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں پڑھتا تھا اس وقت ترمذی کے ایک نسخے میں ہم تین آدمی شریک تھے، اور تینوں جدا جدا رہتے تھے۔ ایک شہر کے اس کنارے، ایک دوسرے کنارے، میں ریل کے اسٹیشن کے پاس رہتا تھا۔ ایک آدمی دو تین گھنٹہ لاکر مطالعہ کرتا تھا، پھر دوسرا لے جاتا تھا، اسی طور پر دن بھر وہ گشت کرتا رہتا تھا، کوئی کتاب پوری پڑھنی کسی کو نصیب نہیں ہوتی تھی، ہدایہ کے جزو جزو کر کے طلبہ پر تقسیم ہو جاتے تھے، کوئی یہاں سے پڑھ رہا ہے، کوئی وہاں سے، جب جزو ختم ہوتا تھا تو چار سطریں رہ جاتی تھیں بسبب فقد سیاق و بے ربط ہونے کے، اسی طور پر ہر کتاب ناقص رہتی تھی، کسی کے پاس اگر غلط نسخہ بھی پورا ہوا تو وہ نعمت کبریٰ سمجھتا تھا، اور وہ شخص بڑا دولت مند خیال کیا جاتا تھا، اسی اثناء میں آشفتے پیش ہوئے، ایک فتویٰ اس بارے میں تھا کہ آیا نماز عید کی عید گاہ میں ہونی چاہیے یا مسجد میں، اس بارے میں پٹنہ میں بڑا مناظرہ ہو رہا ہے۔ طالب علم نے جواب پڑھ کر سنایا کہ عید گاہ میں پڑھنا چاہیے۔ اگر کوئی

www.abulhasanalinadwi.org

عذر ہو تو البتہ مسجد میں ہو سکتی ہے، اس کے دلائل اس نے کئی ورق میں لکھے تھے۔ سب سنتے سنتے مغرب کا وقت آگیا، میں نے بھی مغرب کی نماز وہیں پڑھی، بعد نماز مغرب کے میں قیام گاہ پر واپس آیا۔

مولوی محمد حسین فقیر

روز جمعہ ۲۰۔ رجب۔ آج چونکہ مولوی نذیر حسین صاحب کے یہاں درس نہیں ہوتا، اس واسطے میرا قصد یہ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب فقیر سے ملاقات کر آؤں، اور اگر ممکن ہو تو خانقاہ شریف میں فاتحہ خوانی سے مشرف ہوں، اس ارادے سے میں چاندنی چوک ہوتا ہوا اُن کے مکان کی تلاش میں چلا، جامع مسجد کے راستہ معہود کو چھوڑ دیا، دوسری سڑک گھنٹہ گھر کے سامنے داہنے ہاتھ کو تھی، اُس طرف ہو لیا، تاکہ ضمناً ہر حصہ شہر کی سیر ہو جائے۔ بہت دور جا کر جامع مسجد کی جنوبی سیڑھیوں پر پہنچا، ان سیڑھیوں کے سامنے ایک گلی ملتی ہے اس کا نام ہے امام کی گلی، اس کے اندر ہو کر لوکری والوں میں پہنچا، وہاں مولوی محمد حسین صاحب کا مکان تلاش کر کے دروازہ پر آواز دی، معلوم ہوا کہ مولوی صاحب سفر میں گئے ہیں، ایک مہینہ میں آئیں گے، ناکام واپس ہوا۔

خانقاہ مجددی

اور ایک گلی میں ہو کر چتلی قبر کو پوچھتا ہوا آگے بڑھا، چتلی قبر میں دو راستے ہیں ایک راستہ داہنے ہاتھ کو ہے وہ سیدھا خانقاہ شریف کو گیا ہے، جب خانقاہ کے دروازے پر پہنچا تو پھاٹک بند تھا، معلوم ہوا کہ یہ پھاٹک کبھی نہیں کھلتا، دو برس سے صاحبزادے صاحب کسی سے نہیں ملتے، امرا، غربا، علما، فقرا، مریدین مخلصین، واردین، صادرین کسی سے ملاقات نہیں کرتے، آگے جمعہ اور عیدین کی نماز کے واسطے عام اجازت تھی، اب وہ بھی بند کر دی گئی ہے، دو چار خادم ولائتی ہیں، ان کو کسی وقت حضوری نصیب ہوتی ہے، ورنہ وہ بھی محروم ہیں، غیر تو کیا ان خادموں کی بھی مجال نہیں کہ بے اجازت پھاٹک کے اندر قدم رکھیں، سقا، دھوبی، بھنگی کوئی نہیں جانے پاتا، کوئی ماما بھی صاحبزادہ صاحب کے یہاں ملازم نہیں ہے، ایک خود ہیں اور ایک ان کی بیوی صاحب۔ ایک ولایتی اپنے ہاتھ سے پانی بھر لاتا ہے، وہی پیتے ہیں۔ جب کبھی علیل ہوتے ہیں تو صرف حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو اجازت ہوتی ہے، وہ جاتے ہیں، ورنہ شہر کے لوگوں میں سے بھی کوئی شخص جانے نہیں پاتا، خادم صرف خانقاہ کی ڈیوڑھی تک جانے پاتے ہیں، خطوط جو چٹھی رساں لاتا ہے اُس کے واسطے یہ قاعدہ ہے کہ پھاٹک کے بائیں جانب ایک کھڑکی ہے، اس میں ایک کٹہرہ لگا ہے، اس کے اندر ایک لیٹر بکس کے طور پر بکس رکھا ہے، اس میں قفل لگا ہے، اس کے اندر چٹھی رساں خط ڈال دیتا ہے، جب حکم ہوتا ہے تو ایک

www.abulhasanalinadwi.org

خاص خادم ان خطوں کو نکال کر حضور میں لے جاتا ہے، یا جس کا جی چاہے کچھ لکھ کر ڈال دے، وہ پہنچ جاتا ہے، اور جواب بھی مل جاتا ہے، مگر اس کے واسطے کوئی خاص دن مقرر نہیں ہے، جب ان کا جی چاہتا ہے اُس دن حکم ہو جاتا ہے، ایک ولائتی خادم پھاٹک کے باہر ایک پھوس کے دالان میں رہتا ہے، اس کے معرفت جواب مل جاتا ہے، گویا وہ قلعدار ہے، میں نے یہ حالت دیکھ کر ایک خط پنسل سے وہیں لکھ کر اس کے اندر ڈال دیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ میں عرصہ سے آستانہ بوسی کا مشتاق تھا، اب اس کی توفیق پائی ہے، اُمید ہے کہ محروم واپس نہ کیا جاؤں اپنا نام اور پتہ اس پر صاف لکھ دیا ہے، اس ولائتی خادم نے کہا کہ جب ڈاک کھولی جائے گی اس وقت جیسا جواب ملے گا، میں تم سے کہہ دوں گا، کسی روز پھر آجانا۔

جامع مسجد میں نماز جمعہ

اس کارروائی کے بعد میں واپس آیا، آتے ہی کھانا کھا کر نماز جمعہ کے واسطے جامع مسجد میں گیا، یہ عجیب و غریب مسجد ہے، جس کی تعریف و توصیف کرنا غیر ممکن ہے، اس سال بجلی کے گرنے سے ایک مینار ایک گنبد اور مشرقی دروازہ پر صدمہ پہنچا ہے، اس کی مرمت ہو رہی ہے، رئیس بہاول پور اس کے مصارف کے متکفل ہوئے ہیں۔ اس مسجد کے شمالی گردش میں مشرقی گوشہ پر ایک نہایت آراستہ دالان میں ایک بہت بڑی ضریح رکھی ہے، یہ ضریح بہت ہی مکلف ہے، اس کے اندر قدم شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان بتایا جاتا ہے، جمعہ کی نماز میں اس مسجد کی وسعت کے موافق لوگ نہ تھے، تاہم بہت بڑی جماعت تھی۔

شاہجہاں بادشاہ مرحوم نے جس کو امامت کے واسطے عرب سے بلایا تھا انہی کی اولاد میں یہ خدمت چلی جاتی ہے، یہ بزرگ قوم کے سید ہیں، ایک نقرئی عصا لے کر خطبہ پڑھتے ہیں، اس عصا کے اوپر طلائی تکیہ ہے، متعدد منبر ہیں، بعد نماز کے تین جگہ وعظ ہوا، کبھی کبھی اس سے زیادہ وعظ ہوتا ہے، ایک صاحب منبر پر بیٹھ کر کہتے ہیں، دوسرے میدان کے قریب تیسرے حوض پر، لوگوں کا ہجوم بھی بہت ہوتا ہے۔

مسجد کے باہر کے مزارات

مسجد کے مشرقی دروازہ کے قریب سرمدؒ کا مزار ہے، اسی کے پاس ہرے بھرےؒ کا اور تھوڑے فاصلے پر قلعہ کے جانب حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کا مزار ہے، مزار کے گرد کٹہرہ بنا ہوا ہے، یہ بزرگ بڑے عارف کامل تھے۔

لال قلعہ

آج پیشتر سے ہم نے لال قلعہ کی سیر کا ارادہ کر لیا تھا، اس واسطے کالے خاں کو قبل نماز کے

www.abulhasanalinadwi.org

کہہ دیا تھا کہ ٹکٹ لے رکھنا، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ٹکٹ پیش کیا، یہ ٹکٹ چار آدمیوں کے واسطے کافی تھا، ڈھائی آنے اُس کے حصول میں صرف ہوئے، مسجد سے براہ راست قلعہ گئے یہ قلعہ بالکل سنگِ سرخ کا بنا ہوا ہے، اپنی لطافت اور سُبکی میں بے نظیر ہے، دروازہ پر ایک گورا ٹہل رہا تھا، اُس نے ٹکٹ لے لیا اور ہم اندر روانہ ہوئے، قلعہ کے اندر جانے کے بعد متعدد دروازے اور ڈیوڑھیاں مسلسل ملتی ہیں، ان میں اب آج کل گورا بازار ہے، اس سے نکل کر پھر بالکل ویران اور غیر آباد ہے۔ کہیں کہیں انگریزی عمارتیں اور بارکیں بنی ہوئی ہیں، شاہی عمارتیں بالکل متاصل کر دی گئی ہیں۔ ان کے نشانات اب صرف دربارِ عام کے ایک درجہ سے اور دربارِ خاص و حمام و مسجد و مثمن برج سے معلوم ہوتے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے ایسی عبرت و رقت ہوتی ہے جو کسی طرح بیان میں نہیں آسکتی۔ سبحان اللہ یہ وہ مکانات ہیں جن میں ہر کس و ناکس کے پہنچنے کی مجال نہ تھی۔ بڑے بڑے امراء ہفت ہزاری و پنج ہزاری دربارِ عام تک پہنچنے کو فخر و سعادت سمجھتے تھے، وہی تخت جس کے سامنے دربارِ اکبری و جہانگیری میں سجدہ کرتے تھے، اور دربارِ شاہجہانی و عالمگیری میں اُس کے پائے کو بوسہ دینے کو فخر سمجھتے تھے، آج ادنیٰ ادنیٰ گورا جوتہ پہنے ہوئے اس کو روندتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

الملک للہ والارض للہ والارض للہ یورثھا من یشاء

آں شاہ کہ خویش را ہلاکو می گفت | وز کبر و منی سخن بہ ابرو می گفت
بر کنگرۂ سرائے او فاختۂ | امروز نشستہ بود کو کو می گفت

ناظرین! مجھ کو معاف کیجیے گا، ان مکانوں کے دیکھنے سے میرا دل ایسا بے قابو ہے کہ میں اُن کے حالات بیان کرنے سے بھی قاصر ہوں، بلکہ جو شخص ان درباروں کی ہسٹری اور قلعہ کی جاگرفی سے ماہر ہے وہ کیا ممکن ہے کہ ان کو دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو نہ روئے، اس کا دل بے چین نہ ہو جائے، اس کے بدن پر رونگٹے نہ کھڑے ہو جاویں، اس کی آنکھوں کے سامنے خدا کی سچی عظمت و ہیبت نمودار نہ ہو جائے، دنیا کے فانی ہونے کا پردہ نہ اُٹھ جائے، ذرا تھوڑی دیر کے واسطے آپ حدیقۃ الاقالیم میں محمد شاہی دربار کا سماں دیکھ لیجیے، پھر عالم شاہی دربار کا تنزل ملاحظہ فرمایئے، پھر ان ٹوٹی پھوٹی دیواروں میں کر و فر شہنشاہی کے آثار دیکھیے۔ اللہ اللہ ولا موجود الا اللہ۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ — آثار پدید است صنادید عجم را

اب نہ وہ زمانہ ہے، نہ وہ لوگ ہیں، نہ بادشاہ ہیں، نہ ان کے درباری، یہ ٹوٹی پھوٹی عمارتیں باقی ہیں، جو زبانِ حال سے مسلمانوں کے اقبال و ادبار ترقی و تنزل کا بیان کررہی ہیں۔ بڑا سنگدل ہے وہ شخص جو ان کو دیکھ کر نہ رو اٹھے، بڑا قاسی القلب ہے وہ مرد جو ان کو دیکھ کر متاثر نہ ہو، بڑا بے حمیت ہے وہ مسلمان جو مسلمانوں کے اقبال و ادبار کی ان حقیقی تصویروں کو دیکھ کر خاموش رہے، بڑا بے غیرت ہے وہ نیچری جو کارخانۂ قدرت کی ان نیرنگیوں کو دیکھ کر اپنے عقیدہ پر نادم نہ ہو۔

خلیلی ھل ھاتان دارۃ جاجل — ودارۃ سلمی فی قفاف عقنقل

کیا یہ وہی دربارِ خاص ہے جس میں بڑے بڑے سلاطینِ ہند علی قدرِ مراتب کھڑے ہونے کو فخر سمجھتے تھے، کیا یہ وہی تخت ہے جس کے سامنے بڑے بڑے مہاراجہ سر جھکانے کو اپنا دین و ایمان جانتے تھے، یہ سب کارخانۂ قدرت کی نیرنگیاں ہیں، فانی ہے اور زائل تمام کائنات، اور باقی ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں تمام عالم کی موت و حیات ہے، جس کی قدرت اور بقا پر عالم کے نشیب و فراز، گرم و سرد، تلخ و شیریں، تغیرات و حوادث بآواز بلند گواہی دے رہے ہیں۔ کل شئی ھالک الا وجہہ۔

ہر کرا بینم دریں عبرت سرائے
بہر مردن زندگانی می کند (نظامی)

میں ان باقی ماندہ عمارتوں کی بعینہٖ حالت کیا دکھا سکتا ہوں، اس کی واقعی کیفیت بھی کیا بیان کرسکتا ہوں، البتہ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب کیا کیا عمارتیں باقی ہیں، گویا بقول شاعر۔

آمادہ گشتہ ام دگر اینک نظارہ را — پیوند کردہ ام جگر پارہ پارہ را

ہر چند کہ جو جو عمارتوں کے بقیۃ النہب درجے باقی ہیں، ان سے یہ بھی پتہ نہیں چل سکتا کہ پوری پوری عمارتوں کا گذشتہ زمانہ میں کیا انداز تھا، تاہم بنحوائے البعرۃ تدل علی البعیر و نقش القدم علی المسیر، پرانی عظمت و جلال کا نمونہ دکھاتی ہیں، ان مسلسل ڈیوڑھیوں سے نکل کر ایک پرتاب تیر کے فاصلے پر پھر ایک ڈیوڑھی ملتی ہے، لیکن صرف ڈیوڑھی ہی ڈیوڑھی ہے، چار دیواری قائم نہیں ہے، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مکان کی ڈیوڑھی ہے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ شاہی محلات کی ڈیوڑھی ہے، کیونکہ اس کے محاذی کچھ دور پر دربارِ عام کا ایک درجہ ملتا ہے، یہ سنگِ سرخ کی عمارت ہے، بہت بڑے

www.abulhasanalinadwi.org

بڑے دالان اور بہت مضبوط کھنبوں پر قائم ہیں، غالباً یہ وہی ستون ہیں، جن کے پاس ہر ہر راجہ اور امیر علی قدر مراتب کھڑا ہوتا تھا، کنارے پر تخت ہے سنگ مرمر کا، اس پر سنگِ موسیٰ اور عقیق و نیلم کے نقش و نگار متعلق بدید ہیں نہ شنید، اس تخت کے گرد لوہے کا کٹہرہ ہے، شاید حفاظت کی غرض سے اب بنا دیا گیا ہے، اس سے آگے بڑھ کر کچھ دُور جا کر ان عمارتوں کے نشان ملتے ہیں جن کا نظیر چار دانگ عالم میں نہیں بتایا جاتا، یعنی دربارِ خاص و مثمن بُرج و حمام، وہاں جا کر عقل دنگ ہو جاتی ہے، اور جگمگاہٹ سے آنکھوں کو چکا چوند ہونے لگتی ہے، اے اللہ اے صانع کائنات! یہ انسانی کاریگری کا نمونہ ہے، یا بہشتِ بریں کا ٹکڑا، اگر بہشتِ بریں کا ٹکڑا ہے تو اس کے رہنے والے کون ہیں، کیا جنّت میں جانے کے بعد نکال بھی دیے جاتے ہیں، وہ کہاں گئے؛ یہ کیوں غیر آباد ہے؛ پھر ان کے ساتھ اتنا نشان بھی کیوں باقی رکھا گیا؟ کیا ہم لوگوں کے رونے کے واسطے؛ عبرت کے واسطے، اے کاش اب بھی عبرت حاصل کریں، بڑے ظرف تھے، ان کے جو اس میں رہتے تھے اور پانچ وقت خدا کے سامنے سجود کرتے تھے، تف ہے فرعون پر جس نے صرف مصر کی ان گڑھے جوڑ عمارتوں پر خدائی کا دعویٰ کیا، آفریں ہے شاہ جہاں پر، جس نے تخت طاؤس پر چار کروڑ روپیہ صرف کر کے بنایا، اور اس پر بیٹھتے ہی خدا کے سامنے نہایت عاجزی و فروتنی کی راہ سے سر جھکا دیا، یعنی دو رکعت نماز ادا کی، یہ ہے۔

تواضع ز گردن فرازاں نکو است — گدا گر تواضع کند خوئے اوست

اے ناظرین، عبرت، عبرت!! کل شئ ھالك الا وجھه، یہ عمارتیں بالکل سنگِ مرمر کی ہیں، چھت اور ستونوں پر نقش و نگار ہیں جن پر نگاہ نہیں ٹھہرتی، آنکھوں کے سامنے چکا چوند آ جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کاریگروں نے اس وقت اس کی تعمیر سے فرصت پائی ہے۔ فرش پر مختلف قسموں کے پتھروں کی مینا کاری قابلِ دید ہے۔ نہ شنید، وہ لطافت و پاکیزگی، وہ باریکی، وہ سادگی ہے جو کسی طرح بیان نہیں کی جا سکتی، دربارِ خاص میں کنارے پر سنگِ مرمر کی ایک چوکی ہے، غالباً اسی پر تختِ طاؤس رہتا ہوگا، اب خالی پڑے ہے، نہ تخت طاؤسی ہے، نہ تخت نشین، نہ وہ مکان ہے نہ مکین، عبرت کے واسطے ایک ٹکڑا اس کا باقی چھوڑ دیا گیا ہے جس کو دیکھ کر سیاحانِ گیتی نورد کے ہوش اڑتے ہیں،

ایھا الناس اعتبروا بالقیاس، کہاں ہیں شاہجہاں اور عالمگیر کدھر ہیں اکبر اور جہانگیر کہاں ہیں وہ ہفت ہزاری امراء، کدھر ہیں مشائخ اور علماء، کہاں ہیں وہ چاؤشوں کی آوازیں، کدھر ہیں نقیبوں کی صدائیں، کہاں ہیں

www.abulhasanalinadwi.org

وہ نگاہ روبرو کہنے والے، کدھر ہیں وہ نظر برقدم رکھنے والے کہاں ہے شعراء کی قصیدہ خوانی، کدھر ہے وہ امراء کی لن ترانی کہاں ہے وہ لال پردہ، کدھر ہے وہ نقرئی طلائی کٹہرہ، سچ یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں نے دیکھا وہ خواب تھا، جو کچھ ہم سنتے ہیں وہ افسانہ ہے۔ بقول خواجہ میر درد۔

وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

چاندنی چوک

روز شنبہ ۲۱ رجب۔ حوائج ضروری سے فراغت کرکے درسگاہ گیا۔ مقدمہ صحیح مسلم اور بخاری شریف کا سبق سن کر قیام گاہ پر واپس آیا، آج دن بھر طبیعت منغض رہی، چار بجے تک کہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا، چار بجے کے بعد چاندنی چوک تفریحاً خراماں خراماں گیا کہ طبیعت کچھ بہلے۔

یہ چوک نہایت ہی خوب صورت ہے، اس میں تین سڑکیں ہیں، دورویہ مکانات اور دوکانوں کی قطار قابلِ دید ہے، بیچ کی سڑک کسی قدر بلند ہے، نہر پاٹ کر بنائی گئی ہے، اسی وجہ سے نہر بند ہے اس کے اندر پانی ہر وقت جاری رہتا ہے، دورویہ اس سڑک کے درخت سایہ دار ہیں، اس پر پیادہ پا چلتے ہیں، اس کے دائیں اور بائیں جانب کی سڑکوں پر گھوڑے یکّے کی آمد و رفت رہتی ہے، بیچ چوک میں گھنٹہ گھر ہے، گھنٹہ گھر کے سامنے ملکہ کے باغ کا دروازہ ہے، اس میں گھستے ہی ایک بہت بڑی عمارت ملتی ہے، اس میں عجائب خانہ ہے، میں نے ابھی عجائب خانہ کی سیر نہیں کی۔ یہ باغ اسٹیشن تک برابر چلا گیا ہے، وہاں سے آکر قیام گاہ پر رہا، کہیں نہیں گیا، کیونکہ بھائی جی تنہا تھے۔

پھر خانقاہ

بروز یک شنبہ ۲۲ رجب۔ آج صبح کو اٹھ کر نماز و تلاوت و حوائج ضروری سے فارغ ہوکر درسگاہ گیا۔ کسی وجہ سے آج سبق نہیں ہوئے، مولوی صاحب ممدوح کو کچھ ضرورت تھی، ترجمہ کے بعد گھر چلے گئے۔ میں وہاں سے سیدھا خانقاہ شریف گیا، وہاں وہ ولایتی خادم اس وقت نہ تھا، وہاں سے آگے بڑھ کر شاہ ترکمان کے قبرستان گیا، یہیں خواجہ میر درد کا مزار ہے، ایک مسجد بنی ہوئی ہے اس کے سامنے ایک دالان ہے، دالان کے اندر ہوکر دوسرا کھلا ہوا درجہ ملتا ہے، اس میں مزار ہے، میں نے فاتحہ پڑھا، اس کے بعد ان کے والد ماجد خواجہ محمد ناصر عندلیب کی قبر پر فاتحہ پڑھا۔ وہاں سے نکل کر اور بزرگوں کے مزارات ہیں، ان پر فاتحہ پڑھتا ہوا پھر

www.abulhasanalinadwi.org

خانقاہ شریف واپس آیا، اس وقت وہ ولائتی خادم موجود تھے ان سے معلوم ہوا کہ اب تک خطوط نکالنے کا حکم نہیں آیا، آج میں اجازت حاصل کر کے نکالوں گا، پھر جیسا جواب ملے گا کل یا پرسوں جب آؤ گے تو تم سے کہہ دوں گا۔ وہاں سے میں واپس آیا، وہاں سے قریب ہی ایک مسجد ہے، اس میں ایک بنگالی مولوی صاحب رہتے ہیں، انھوں نے کہا مولانا صاحب کسی سے نہیں ملتے، کابل و بخارا کے بڑے بڑے عمائد و درویش و مشائخ ملنے آیا کرتے ہیں، مگر نا کام واپس جاتے ہیں۔

مولانا عبدالحق حقانی پھر میں قیام گاہ واپس آیا، ظہر کی نماز پڑھ کر مولوی صاحب مصنف تفسیر حقانی سے ملنے کے لئے محلہ بلی ماراں گیا، مولوی صاحب ممدوح حکیم عبدالمجید خاں کے مکان کے آگے مطبع فاروقی کے سامنے رہتے ہیں، وہاں جانے پر معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نہیں ہیں کسی سے ملنے گئے ہیں، تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے مولوی فضل اللہ صاحب کے پاس گیا، ڈپٹی ہادی حسین خاں کے مکان کے سامنے متصل مدرسہ طیبہ کے ایک کمرہ پر بکرا یہ رہتے ہیں، وہ ملے، ان کے پاس مغرب تک بیٹھا رہا، وہاں سے پھر قیام گاہ پر واپس آیا۔

پھر خانقاہ روز دوشنبہ ۲۳ رجب۔ آج شب ہی سے پانی برس رہا ہے، ترشح کی وجہ سے کہیں جانے کا موقع نہیں ہے۔ سڑکیں بہت خراب ہو رہی ہیں، دس بجے ترشح موقوف ہوا، اس وقت میں خانقاہ کی فکر میں گیا، خانقاہ کے دروازے پر امرائے پنجاب کھڑے ہوئے تھے، ان کو پروانگی نہیں دی گئی، فاتحہ باہر سے پڑھ کر واپس گئے۔ محمد علی خاں ولائتی خادم کے انتظار میں ٹھہرا رہا، اس اثنار میں ایک پیر مرد آئے۔ مجھ سے معمولی تعارف ہوا، خانقاہ شریف کے محاذی دوسرے جانب سڑک کے ایک نہایت عمدہ حویلی ہے، اس کے دروازے کو کھول کر اندر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خادم نکلا، مجھ سے کہا اندر بلاتے ہیں، میں اندر گیا، انھوں نے نہایت عزت و توقیر کے ساتھ اپنے سجادہ کے قریب ایک روئی غالیچہ پر مجھ کو بٹھایا، اس کے بعد مجھ سے پوچھا، کہ آپ کہاں سے تشریف لائے میں نے بیان کیا، پھر پوچھا کہ کیوں تشریف کی، میں نے کہا بزرگوں کی زیارت اور مشائخ کرام کے مزاروں پر فاتحہ خوانی کی غرض سے، پھر انھوں نے سلسلۂ بیعت کو پوچھا، میں نے اپنے سب سلاسل بیان کئے مامونؒ صاحب مرحوم مغفور کا نام سن کر انھوں نے کہا کہ وہ میرے پیر بھائی تھے، مجھ سے ان سے ظاہری ملاقات نہیں ہے، لیکن میں ان سے خوب واقف ہوں، اُن کے انتقال کے بعد اُن کے مریدوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا، وہ لوگ یہاں آئے تھے، پھر کہنے لگے کہ آج کل زمانہ کے فتنہ آشوبی کی وجہ سے حقانیت جاتی رہی ہے، ملائیت کی جگہ نفسانیت نے دلوں میں گھر کر لیا ہے، لوگ جو

www.abulhasanalinadwi.org

کچھ کرتے ہیں وہ خدا کے واسطے نہیں کرتے، طلب جاہ و مفاخرت مدنظر ہوتا ہے، اصل یہ ہے کہ ہمتیں قاصر ہیں، جب نوکری چاکری کے قابل نہ ہوئے تو اس طریقہ کو اختیار کرتے ہیں، اور فی زعمہ سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ سہل ہے حالانکہ یہ بہت دشوار گذار راستہ ہے، آج کل جہاں تک دیکھا جاتا ہے ایسے مشائخ بہت ملیں گے جو ظاہرداری درست کیے ہیں، وظیفے وظائف کے بھی پابند ہیں، لیکن ایسے لوگ جو ظاہرداری کے ساتھ دل میں خدا کی محبت بھی رکھتے ہیں، ان کی صحبت سے لوگوں کو فیض بھی حاصل ہوتا ہے، باوجود تعلقات کے اُن کی طبیعتیں پابند علائق نہیں ہیں، بہت کمیاب ہیں، بلکہ دیکھا سنا نہیں جاتا، اس کے بعد میں نے پوچھا کہ مولانا ابوالخیر صاحب نے خانقاہ شریف کی آمد و شد بالکل مسدود کردی ہے، اس کی کیا وجہ ہے، اس کے جواب میں کہا کہ یوں تو لوگوں کے طرح طرح کے خیالات ہیں، جتنے لوگ ہیں اتنی رائیں ہیں، لیکن ان کے دل کا حال کس کو معلوم ہے، یہ سنا جاتا ہے کہ بعض لوگوں سے انھوں نے یہ بیان کیا کہ کوئی ملنے کے لائق نہیں ہے، بعض سے یہ بھی کہا کہ جو ملنے کے لائق ہیں وہ ہم سے ملنے آتے نہیں، جو ملنے کے لائق نہیں ہیں وہ آکر گھیرتے ہیں، کوئی اپنی حاجت روائی چاہتا ہے، خیر کوئی سبب ہوں، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس سے عام ناراضگی پھیلی ہوئی ہے، تمام شہر بُرا کہتا ہے، وہ کسی کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے، لوگ دُور دُور سے فاتحہ کو آتے تھے، وہ بند ہے، نماز کو مسجد میں جاتے تھے وہ بند ہے، کتنے حسرت کی بات ہے کہ اُن کے آنے سے اُمید تھی کہ خانقاہ آباد ہوگی، اب پہلے سے زیادہ ویران ہے، مسجد میں اذان تک نہیں ہوتی میں نے کہا کہ اذان کب سے موقوف ہوئی اور کیوں موقوف ہے، کہنے لگے دو برس سے تو پھاٹک بند ہے، لیکن اذان مسجد میں ہوتی تھی، اس پر کسی طالب العلم نے لکھ کر لیٹر بکس میں ڈال دیا کہ جب نماز کو کوئی آنے نہیں پاتا تو بلا یا کیوں جاتا ہے، اس وقت سے جس کو آٹھ مہینہ کا عرصہ ہوا، اذان بھی بند کردی۔ میں نے کہا جمعہ و اعیاد کی نمازیں جماعت کے ساتھ مشروط ہیں، وہ کیوں کر ادا ہوتی ہیں، کہنے لگے، شاید وہ کہتے ہیں کہ جماعت مسلمانوں کی اور آدمیوں کی ہوتی ہے، جب کوئی آدمی ہی نہیں تو کس کے ساتھ جماعت کی جائے، کہنے لگے صاحبزادہ ہیں سمجھتے نہیں، نماز وغیرہ بند نہیں ہو سکتیں، لیکن ان کے ساتھ کسی نے اب تک تشرنہیں کیا، ورنہ کس کی مجال ہے کہ وہ بند کردے، ان کو ایسے کسی سے نہیں ملنا ہے تو گھر کے دروازے بند کرلیں، مسجد سے کیا تعلق، افسوس ہے کہ وہ خانقاہ جہاں کثرت و ہجوم طالبین سے رہنے کی گنجائش نہ تھی، اب بالکل غیر آباد اور خالی پڑی ہے۔ لیکن ان کو نشیب و فراز کون سمجھائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایسے لوگ جو کہہ سکیں اُن کے یہاں جاتے نہیں، جو جاتے ہیں وہ کہہ سکتے نہیں، مسجدیں قریب قریب یہاں بہت ہیں؛ اس وجہ سے ہم لوگ چپ ہیں، لوگوں نے تکفیر کے فتوے لکھ لکھ کر بکس میں ڈال دیئے مگر اُن کو کچھ متنبہ نہیں ہوتا، غربا سے تو ملتے ہی نہیں، کسی کسی سے جس کو وہ کچھ سمجھتے ہیں مل لیتے ہیں۔ جب بیمار ہوتے ہیں تو آخر حکیم کو بلاتے ہیں، اکثر خود ان کی طبیعت ناساز رہتی ہے، ان کی دو بچیاں ہیں، بیوی ہیں، وہ علیل ہوتی رہتی ہیں، حکیم کو بلاتے ہیں۔ حکیم کو بلانے کے واسطے اور کسی شخص کو بلاتے ہیں۔ تاہم عام طور پر نہیں ملتے۔ اس کی ابتدا تو چار برس سے پڑ چکی تھی، لیکن اب انتہا ہوگئی۔ ان بزرگ کا نام عبدالرحیم ہے۔ ۱۲۴۱ھ میں دہلی آئے، جب سے یہیں رہتے ہیں۔ چلتے وقت مجھ سے کہنے لگے، میں آپ کی کیا تواضع کروں۔ کچھ نقل چرونجی، دانہ کشمش رکھی تھیں وہ لاکر دیں اور کہا کہ یہ فاتحہ کے تبرک ہیں، ان کے پاس سے اُٹھ کر پھر میں باہر آیا، محمد علی خاں نہ تھے ایک مسجد وہاں سے قریب ہے، وہاں جاکر لیٹ رہا۔ وہی تبرک کھاکر پانی پیا، کچھ تسکین ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ آج جواب بہت نیست کامل جائے تو روز روز کی دوا دوش سے نجات ہو، خانقاہ شریف میرے قیام گاہ سے بہت دُور ہے، وہ شہر کے اس کنارے ہے اور میں شہر کے اُس کنارے، اسٹیشن کے پاس ٹھہرا ہوں، ظہر کی نماز اسی مسجد میں پڑھی، اس کی تھوڑی دیر کے بعد محمد علی خاں وہی پرچہ میرا لے کر آئے مجھ کو دیا، میں سمجھا جواب ہے، اس کو کھول کر دیکھنے لگا، اتنے میں وہ پھر غائب ہوگئے۔ میں نے خیال کیا کہ صاحبزادہ صاحب نے جواب لکھنا مناسب نہیں جانا، وہی پرچہ پھیر دیا ہے، یہ اشارہ اس بات کا ہے کہ ملنا غیر ممکن ہے، واپس جاؤ، میں جواب ملنے ہی کو غنیمت سمجھ کر باہر سے مرزا صاحب رح حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی رُوح پُرفتوح پر فاتحہ پڑھ کر واپس آیا، دو بجے قیام گاہ پر پہنچا، آتے ہی کھانا کھایا، اب پانی اس شدت کا برس رہا ہے کہ تار ہی نہیں ٹوٹتا، گویا ساون بھادوں کا سا مہینہ ہے۔ جھڑی لگ گئی ہے، خدا خیر کرے، اگر یہی حال رہا تو کوئی کام پورا نہ ہو سکے گا۔

سند مولوی نذیر حسین صاحب

روز سہ شنبہ ۲۴ رجب۔ آج بارش کے آثار نہیں ہیں۔ صبح کو حوائج ضروری سے فارغ ہوکر مولوی نذیر حسین صاحب کی درسگاہ گیا، حسبِ معمول گیارہ بجے تک شریکِ درس رہا، اس کے بعد قیام گاہ پر واپس آیا، دو بجے بازار گیا، کچھ چیزیں لینی تھیں وہ چیزیں لیں، عصر کی نماز فتح پوری میں پڑھی، اس کے بعد مولوی

www.abulhasanalinadwi.org

نذیر حسین صاحب کی مسجد پر آیا۔ مولوی صاحب آئے نہ تھے، تھوڑی دیر کے بعد وہ آئے، میں نے ذکر کیا کہ میرا ارادہ جانے کا بہت جلد ہے، میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو اجازت آپ بھی عنایت کریں، سن کر فرمایا بہت اچھا بہت بہتر ہے، آپ نے جو جو کتابیں حدیث کی پڑھی ہیں۔ وہ سب لکھ لائیے، میں لکھ دوں گا۔ اس کو بہت خوشی کے ساتھ کئی بار کہا، "بہت اچھا" بہت بہتر، میں ضرور لکھ دوں گا۔" اس وقت مجھ کو اس بات کا بہت ہی افسوس ہوا کہ میں اپنی سند حدیث کی لیتا نہ آیا۔ ورنہ وہی دکھا دیتا، اسی پر وہ بھی لکھ دیتے۔ مجھ کو اس بات کا بہت ہی افسوس ہے، میں اُن کے پاس مغرب تک بیٹھا رہا، باتیں کرتے رہے، میں نے پوچھا کہ آپ نے سید صاحب (سید احمد بریلویؒ) کو دیکھا ہے، کہنے لگے، ہاں دیکھا ہے، جب وہ سفر کلکتہ سے لوٹے تھے اس وقت میں نے پٹنہ میں اُن کو دیکھا ہے، اس زمانہ میں، میں یوسف زلیخا پڑھتا تھا اس کے بعد سید صاحب دہلی آئے، یہاں بہت کم ٹھہرے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب (مولانا شاہ اسماعیلؒ) ٹھہر گئے تھے۔ قریب پانچ چھ مہینے کے یہاں رہے۔ جب مٹکاف صاحب کلکتہ سے آئے تو وہ یہاں سے استعجالاً چلے گئے۔ کیونکہ کلکتہ میں اس سے اور مولانا سے کچھ بحث ہوگئی تھی۔ معلوم ہوا کہ مولوی صاحب[۱۲] (مولوی سید نذیر حسین صاحب) دہلی کے اصل باشندہ نہیں ہیں، صوبہ بہار کے رہنے والے ہیں۔ مغرب کی نماز میں نے وہیں پڑھی، اس کے بعد قیام گاہ پر واپس آیا۔

شیخ احمد پائی کی سرائے

روز چہار شنبہ ۲۵۔ رجب۔ صبح کو اُٹھ کر نماز و تلاوت و حوائج ضروری سے فراغت کر کے درسگاہ گیا، معلوم ہوا کہ آج میاں صاحب کی کہیں دعوت ہے۔ اس وجہ سے نہیں آئے۔ درس نہ ہوگا۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوئے شیخ احمد پائی کی سرائے دیکھی، نہایت صاف و دل کشا ہے، اس سے ملحق ایک مسجد ہے، اس میں پیرجی عبدالرزاق صاحب، مولانا رشید احمد صاحب کے مریدوں میں ہیں، ان سے ملنے گیا، وہ نہ تھے۔ وہاں سے واپس آیا۔

مولوی سلیم الدین خاں بن مولوی رشید الدین خاں

ارادہ ہوا کہ آج مولوی سلیم الدین خاں صاحب سے مل آؤں، یہ مولوی رشید الدین خاں صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں، اُن کے یہاں پرانا کتب خانہ اچھا ہے، اور شاید جدا بھی کرتے ہیں، ان کا مکان دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بلبلی خانہ، پتلی قبر سے آگے کالی مسجد کے قریب ہے، یہ بھی

www.abulhasanalinadwi.org

دریافت ہوا کہ مولوی سلیم الدین صاحب کا دو مہینے ہوئے انتقال ہوگیا، ان کے ایک صاحبزادے تھے رضی الدین خاں، ان کا مولوی صاحب مرحوم کے سامنے ہی انتقال ہو چکا تھا، ان کی اولاد خرد سال ہے، مجھ کو نہایت ہی افسوس ہے۔

مدرسہ حسین بخش

اب وہاں جانا بے لطف سمجھ کر یہ ارادہ کیا کہ شیخ حسین بخش صاحب کے مدرسے کی سیر کرنی چاہیئے، یہ مدرسہ جامع مسجد بازار میں نجما ورخاں کی حویلی کے آگے ہے، وہیں سے روشن الدولہ کے کٹرہ ہوتا ہوا یہ رھا جامع مسجد کے پاس آنکلا، اور جامع مسجد کی پشت پر ہوکر جامع مسجد بازار پہنچا مدرسہ نہایت پُر تکلف ہے، مسجد ہے اور مسجد کے گرد اسی سے ملحق مکانات و حجرے خوب صورتی کے ساتھ بنے ہوئے ہیں، ان میں مدرسین وطلبہ رہتے ہیں، مدرسہ کا خرچ دو سو روپے ماہوار ہے، آمدنی کا کوئی کافی ذریعہ نہیں ہے، چندہ سے چلتا ہے۔ کچھ محدود آمدنی مقرر بھی ہے، چار مدرس ہیں اور پانچ مددگار۔

مولوی عبدالعلی صاحب

مدرس اوّل مولوی عبدالعلی صاحب ہیں، یہ مسجد کے شرقی وجنوبی گوشہ کے مکان میں رہتے ہیں، وہیں درس دیتے ہیں۔ ذی الحجہ سنہ حال سے یہاں آئے ہیں، پیشتر مراد آباد وسہارن پور میں مدرس تھے۔ مولوی فیض الحسن و مولانا قاسم و مولانا احمد علی صاحب مرحومین کے شاگرد ہیں، مولانا محمد قاسم صاحب سے زیادہ تر تلمذ ہے۔ انہی کی صحبت میں زیادہ رہے ہیں، انہی سے ارادت ہے، آدمی خلیق نجیدہ بے تکلف سادہ مزاج ہیں۔ خودداری وپندار سے بالکل کنارہ کش، صورت سے علمائے دین کی شان معلوم ہوتی تھی، جب میں گیا تو صحیح مسلم کا سبق ہو چکا تھا، طلبہ سے باتیں کر رہے تھے، مجھ سے نہایت شگفتہ پیشانی کے ساتھ ملے، تعارف کے بعد مجھ سے کہا، اگر اجازت ہو تو میں ایک سبق اور پڑھا دوں، اس کے بعد سنن ابن ماجہ کا سبق شروع ہوا، دیر تک پڑھاتے رہے۔ اس اثنار میں میں اٹھا، مجھ سے کہا کہ آپ تھوڑی تکلیف اور کیجئے، میں بیٹھ گیا، تھوڑی دیر میں سبق ختم کیا اور طالب علموں سے کہہ دیا کہ باقی سبق سہ پہر کو ہوں گے، پھر مجھ سے نہایت لطف اور بے تکلفی سے باتیں کرنے لگے۔ میرے واسطے چائے بنوائی اور اصرار کے ساتھ پلاتے رہے، پان خود نہیں کھاتے، مگر میرے واسطے خاص کر منگوائے، باوجود اس کے کہ میں منع کرتا رہا، ان کے اس تواضع اور اکرام کی وجہ سے میں زیادہ بیٹھا، بارہ مجھ کو وہیں بج گئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

سیّد صاحب کے لوگوں کے حالات

دیر تک حضرت سیّد صاحب کے حالات ذکر کرتے رہے، مولانا قاسم صاحب کے حالات بیان کرتے رہے، یہ بھی کہا کہ اگر مولانا قاسم صاحب کے حالات اور اُن کے علم کا مشاہدہ میں نے خود نہ کیا ہوتا تو اگلے زمانے کے اکابر کے حالات افسانہ معلوم ہوتے، مولانا رشید احمد صاحب کے نسبت کہنے لگے کہ ایسے لوگ اب روئے زمین پر ڈھونڈنے سے نہیں ملیں گے، یہ بھی قصّہ انھوں نے بیان کیا کہ مولوی سعید الدّین ایک معمولی استعداد کے آدمی سیّد صاحب کے دیکھنے والوں میں اُن کے قافلہ کے تھے، سہارن پور میں رہتے تھے، وہ بھی جیسا سیّد صاحب غفران مآب کے علی العموم مریدوں کا حال ہے، نہایت باخدا اور سچّے مسلمان تھے، ان کے بیٹے سے کسی دوسرے شخص سے جھگڑا ہوگیا، اور نوبت بعدالت پہنچی، فریق ثانی نے مولوی صاحب کو گواہی میں لکھ دیا، مولوی صاحب کو جانا پڑا، اور بلا لحاظ واسطہ پدری کے اپنے بیٹے کے مخالف گواہی دی، وہ آخر میں نابینا ہوگئے تھے، اور باوجود پیرانہ سالی کے ہر روز کسی بچہ کو ساتھ لے کر مدرسہ پڑھنے آیا کرتے تھے، کچھ سنتے تھے، کچھ پڑھتے تھے، ہمیشہ ان کا یہ شغل رہا، میں نے ایسے وقت میں دیکھا ہے کہ نابینا ہوجانے کے بعد اُن کی آنکھیں روشن ہوچکی تھیں، اور خود بلا وساطت کسی کے پھرتے تھے، اس کا قصّہ مولوی ثابت علی صاحب عجیب بیان کرتے تھے، وہ سہارن پور میں مدرّس ہیں، اور میرے دوستوں میں ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ مولوی صاحب مرحوم اکثر کلام مجید پڑھا کرتے تھے اور رویا کرتے تھے، ایک مرتبہ میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ خود بخود چلے آرہے ہیں، ان کی آنکھیں روشن ہیں، میں نے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے، معلوم ہوا کہ آج بھی حسب معمول کلام مجید پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے، آنسو جیسے ہی پونچھے آنکھیں روشن تھیں۔

اخلاقی انحطاط اور مذہبی تفریق کا ایک عبرتناک قصّہ

یہ بھی قصّہ مولوی عبدالعلی صاحب نے بیان کیا کہ سبزی منڈی یہاں سے بہت قریب ہے، اس محلہ میں ایک مولوی صاحب آکر رہتے تھے، وہ غیر مقلّد تھے، دن کو میاں صاحب کے مدرسہ میں رہتے تھے، اور رات کو وہاں کرایہ سے مکان تھا، اس میں ایک بیوی صاحب بھی تھیں، اسی محلہ میں ایک کبیر السّن میاں جی رہتے تھے، وہ پابند اوقات تھے، محلہ کے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے، ایک دن ایک بڑھیا نے اُن سے آکر کہا کہ مولوی صاحب کی بیوی نے آپ کو بلایا ہے۔ کھڑے کھڑے ذری کی ذری بن جائیے،

www.abulhasanalinadwi.org

میاں جی صاحب گئے، پردے کے پاس بیوی صاحب نے آکر کہا کہ آپ باخدا آدمی ہیں، مجھ کو للہ اس ظالم کے پنجہ سے چھڑائیے، انھوں نے کہا خیر ہے، اس نے کہا خیر کہاں شر ہے، یہ میرا پیر ہے، میں اس کی مرید، میرے خاوند موجود ہیں، دھوکے سے یہ مجھ کو نکال لایا ہے، میاں جی صاحب کو سن کر نہایت ہی تعجب ہوا، اور واقعی تعجب کی بات ہے، میں نے یہاں تک جب قصہ سنا تو مجھ کو عجب حیرت ہوئی، مولوی صاحب فرمانے لگے کہ میاں جی نے اس کی تسلی تشفی کی، اس کے بعد چلے آئے، لیکن موقع کے منتظر رہے، ایک دن مولوی صاحب سے خلوت میں کہا کہ مجھ کو تنہائی میں آپ سے ایک راز کہنا ہے بشرطیکہ وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے، آپ تک رہے، انھوں نے کہا فرمائیے، میاں صاحب نے کہا کہ میں بھی آپ کا ہم مذہب ہوں، مگر حضرت کیا کہیئے اس محلہ کے لوگ ایسے سخت ہیں، آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ آدمی مار ڈالتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی، اگر میں اظہار کروں تو خدا جانے میری کیا حالت ہو، مولوی صاحب نے کہا خیر یہ بہت مناسب ہے، آپ اپنا مطلب کہیئے، انھوں نے کہا اصل یہ ہے کہ اس محلہ میں ایک عورت سے مجھ کو کمال درجہ کی الفت ہے، لیکن اس کے خاوند موجود ہے، میں چاہتا ہوں کوئی ایسی تدبیر ہو کہ وہ میرے قابو میں آجائے اور شریعت میں بھی جائز ہو، انھوں نے کہا کہ یہ کوئی دشوار امر نہیں ہے، یہ لوگ یعنی حنفی المذہب مستحل الدم ہیں، ان کا مال مال غنیمت ہے، ان کی بیویاں ہمارے واسطے جائز ہیں۔ آپ قابو میں لا سکتے ہوں تو شوق سے لائیے، انھوں نے کہا بس مجھ کو یہی چاہیے تھا، اور وہاں سے چلے گئے۔ دوسرے وقت محلہ کے عمائد سے یہ قصہ بیان کیا، اور یہ شرط کر لی کہ ان کو جان سے نہ ماریں، ان لوگوں نے اس کے خاوند کو بلا بھیجا، جب مولوی صاحب نماز کے واسطے آگے بڑھے تو ایک شخص نے نہایت درشتی کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور نہایت ہی مرمت کی اور خاوند اپنی جورو کو لے کر چلا گیا، یہ قصہ حال ہی کا ہے۔ مجھ کو اس کے سننے سے عورت کے نکال لانے پر اتنا استعجاب نہیں ہوا جتنا ان کا حنفیہ کے مستحل الدم سمجھنے پر تعجب ہوا، باوجودیکہ اس میں کچھ نہیں ہے، بھوپال میں عبداللہ نابینا کہتا ہے کہ دنیا میں صرف ڈھائی مسلمان ہیں، مولوی محمد بشیر صاحب حنفیہ کو مشرک سمجھتے ہیں، القصہ دو بجے میں وہاں سے آیا، آکر کھانا کھا کر نماز پڑھی، اس کے بعد مولوی نذیر حسین صاحب کے یہاں گیا، اس وقت بھی درس نہیں ہوا، وہاں سے آکر چاندنی چوک گیا، کچھ چیزیں لینی تھیں، یہاں یہ بات علی العموم دیکھی گئی کہ دوکاندار قیمت زیادہ نہیں کہتے، اور اکثر ایک ہی بات کہتے ہیں، لکھنؤ میں اور یہاں دونے کا بل ہے۔ وہاں سے آکر غازی الدین خاں کی مسجد میں مغرب کی نماز

www.abulhasanalinadwi.org

پڑھ کر قیام گاہ پر آگیا۔

سندِ حدیث کی عبارت

روز پنجشنبہ ۲۶ رجب صبح کو اٹھ کر حوائج ضروری سے فارغ ہو کر درس گاہ گیا۔ ترجمہ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جتنے سبق ہوئے سب نے جب مولوی صاحب گھر جانے لگے تو میں نے وہ پرچہ دیا، جس میں اپنے حدیث پڑھنے کا حال لکھا تھا اس کا مضمون یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین
الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ
وبعد فانی قرأت علی شیخنا العلامۃ النور الساری
حسین بن محسن السبعی الانصاری اولیات الشیخ
محمد سعید السنبل والحصن الحصین للجزری
وبلوغ المرام للحافظ بن حجر القسطلانی ومسلسلاتہ
والامہات الاربع اعنی بہا الجامع الکبیر لابی عیسیٰ
الترمذی والجامع الصحیح لشیخ الاسلام البخاری والصحیح
للامام مسلم بن الحجاج النیشاپوری والسنن لابی
داؤد السجستانی وسمعت بحق قراءۃ الغیر علیہ طرفا
من السنن للنسائی وابن ماجہ القزوینی واجازنی
لکل ما یجوز لہ روایتہ ویصح عنہ درایتہ عن المشایخ
الکرام الاجلۃ الاعلام اجلہم السید الشریف الحمید
العلامۃ العفیف ذی المنہج الاعدل حسن بن
عبد الباری الاہدل عن آبائہ السادۃ ومشائخہ
القادۃ وشیخہ الشریف العلامۃ محمد بن ناصر الحازمی
والشیخ العلامۃ احمد بن محمد بن علی
الشوکانی عن والد الثانی سہیل القطر الیمانی

www.abulhasanalinadwi.org

شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی عن الامام الهمام
احمد بن القادر الکوکبانی رضی اللہ عنهم وعنا
اجمعین الی آخر السند المختوم المبثوت المحفوظ
عندی بحظ شیخنا متعنا اللہ بحیاتہ۔

افسوس ہے کہ اگر سند موجود ہوتی تو مجھ کو اس عبارت کے لکھنے کی حاجت نہ پڑتی، بہرحال مولوی صاحب نے وہ پرچہ لے کر رکھ لیا اور میں قیام گاہ پر آیا۔

پیر جی عبدالرزاق ظہر کی نماز پڑھ کر احمد پائی کی مسجد میں پیر جی عبدالرزاق صاحب سے ملنے گیا۔ یہ بزرگ گنگوہ کے رہنے والے مولانا اسلم اللہ تعالیٰ (مولانا رشید احمد صاحبؒ) کے مریدوں میں ہیں، دہلی میں سترہ برس سے رہتے ہیں۔ ملاقات ہوئی بیٹھے کلام مجید کی تلاوت کر رہے تھے، آدمی بہت معقول ہیں، جب تک صحبت رہی بزرگوں کا تذکرہ کرتے رہے، مجھ سے نہایت حسنِ ظن کے ساتھ پیش آئے۔

سندِ حدیث پر تصدیق تھوڑی دیر کے بعد میں واپس آیا، اور سند کے خیال میں مولانا نذیر حسین صاحب کے یہاں چلا، راستہ ہی میں وہ مل گئے، ڈولی پر کہیں جا رہے تھے۔ ایک خادم ساتھ تھا، مجھ سے کہا کہ میں تمہاری سند لکھ کر قرآن شریف میں رکھ کر آیا ہوں، مسجد میں جا کر لے لو، میں مسجد گیا، سند رکھی ہوئی ملی لے کر قیام گاہ پر واپس آیا، خلاصہ مضمون سند کا یہ ہے۔

ان المولوی عبد الحی بن السید فخر الدین الحسنی قد قرأ الصحاح الستة وملحقاتها علی العلامة المحدث حسین بن محسن السبعی الانصاری وطلب منی ایضاً سندها لزیادة الوثوق فاجزت له باقراء الکتب المذکورة وتدریسها لانه اهلها واحق بها، الخ

میاں صاحب نے اپنے حسنِ ظن سے یہ فقرہ سند میں بڑھا دیا ہے "لانه اهلها و احق بها یعنی یہ اس کے اہل اور سب سے زیادہ حقدار ہیں، ورنہ ایسی صورت میں قاعدہ محدثین کا یہ ہے کہ یہ فقرہ لکھتے ہیں۔ بالشرط المعتبر عند اهل الحدیث والاثر" یعنی اس شرط کے ساتھ جو اہلِ حدیث کے نزدیک معتبر ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ شاہ عبدالعزیز صاحب

وہاں سے آنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ حضرت مولانا و مولی الکل مقتدائے ارباب و تمیز شاہ عبدالعزیز صاحب روح اللہ روحہ کے مدرسہ کی زیارت کروں، جس میں ہمارے بزرگوں نے یکے بعد دیگرے استفادہ کیا ہے اور جس کی خاکروبی کو فخر و سعادت سمجھا ہے، حضرت شاہ محمد واضح قدس سرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے وقت میں تشریف لائے۔ ان کے بعد شاہ ابوسعید صاحب، مولوی محمد نعمان صاحب، حضرت سید محمد معین صاحب یکے بعد دیگرے آئے، اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب کے وقت میں حضرت مولانا شاہ سید قطب الہدیٰ صاحب تشریف لائے، ان کے بعد مولانا سید محمد اسحاق صاحب۔ ان کے بعد مولانا سید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہم آئے اور فائدہ حاصل کیا، جس کو تمام عالم جانتا ہے۔

یہاں سے جامع مسجد اور اس کے آگے چتلی قبر تک گیا، چتلی قبر سے دو راستے ہیں۔ ایک داہنے ہاتھ کو وہ سیدھا خانقاہ کو گیا ہے۔ دوسرا بائیں ہاتھ کو، اس راستہ پر بہت دور تک چلا گیا، آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ کو کوچۂ فولاد خاں کو سڑک گئی ہے، وہ سیدھی کلاں محل تک چلی گئی ہے۔ کلاں محل میں ہمارے شیخ المشائخ مولانا و مقتدانا رحمہ اللہ تعالیٰ کا مدرسہ ہے، اس کی حالت کو دیکھ کر خاویۃ علےٰ عروشہا انّٰی یحیی ھٰذہ اللہ بعد موتہا کی آیت یاد آئی، اللہ اللہ کیا کارخانۂ قدرت کی نیرنگیاں ہیں، ایک وہ دن تھا کہ عرب و عجم کے لوگ اس مدرسہ میں رہتے تھے اور فائدہ حاصل کرتے تھے، اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ ویران و خراب پڑا ہے، کوئی رہنے والا نہیں۔

شاہ صاحب کی یادگار

مدرسہ میں پہنچ کر میں نے مولوی سید ظہیر الدین احمد کو تلاش کیا وہ زنانخانے کے قریب کسی مکان کی تعمیر کرا رہے تھے، میں وہاں گیا، اور حضرت شاہ صاحب کے زنانہ مکان کی باہر سے زیارت کی۔ اس کے بعد مولوی صاحب ملے، تعارف ہوا اور وہاں سے کمرہ میں آکر بیٹھے، پہلے انھوں نے اس بات کی بڑی شکایت کی کہ آپ سرائے میں کیوں ٹھہرے اور اسی وقت آدمی کو بھیجنے لگے کہ اسباب اٹھا لائے، لیکن میں نے معذرت کی اور کہا کہ میں کل جانے والا ہوں، اب اگر اتفاق حاضر ہونے کا ہوگا تو یہیں ٹھہروں گا، مجھ کو اجنبیت کی وجہ سے معلوم نہ تھا: تاہم وہ بہت دیر تک بجائے مخدومانہ شکایت کے برادرانہ شکایت کرتے رہے، پھر اس بات پر مصر ہوئے کہ کل دعوت ہے، اس کو قبول کیجئے، میں نے اس میں بھی معذرت کی، کیونکہ اس وقت

www.abulhasanalinadwi.org

میرا قطعی ارادہ کل کے جانے کو تھا، آخر کو انھوں نے مجبور ہو کر کہا کہ آج ہی شب کو کھانا یہاں کھاؤ، میں نے زیادہ انکار مناسب نہیں سمجھا، اور ان کی عنایت کا شکریہ ادا کیا، یہ بزرگ شاہ صاحب کے خاندان سے اس طور پر واسطہ رکھتے ہیں کہ ان کے دادا جناب شاہ رفیع الدین صاحب کے نواسہ تھے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے چھ صاحبزادے تھے، مولوی مخصوص اللہ، مولوی موسیٰ، مولوی مصطفیٰ وغیرہ۔ ان کے اب کسی کے اولاد نہیں ہے۔ ایک صاحبزادی تھیں، بی بی امۃ اللہ اُن کے دو صاحبزادے تھے۔ سید ناصر الدین اور سید نصیر الدین، آخر الذکر مولانا محمد اسحٰق صاحب کے داماد تھے، جو مولانا نصیر الدین مجاہد کے نام سے مشہور ہیں، ان کی اولاد نہیں چلی، اور اوّل الذکر کے ایک صاحبزادہ تھے، سید معز الدین ان کے صاحبزادہ ہیں سید ظہیر الدین احمد۔ انھوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کی تصانیف شائع کی جائیں، چنانچہ اکثر رسائل چھپوائے ہیں اور باقی چھپ رہے ہیں، ایک پریس بھی قائم کیا ہے، ابتدا میں خاص حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے مدرسہ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا مگر ابنائے زمانہ کی بے اتفاقی سے وہ ٹوٹ گیا، آج کل انتباہ چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ اب حضرت شاہ اہل اللہ صاحب کا مطب چھپ رہا ہے، یہ بہت بڑے حکیم بھی تھے، کچھ کتابیں دکھانے کو گھر سے لائے، ایک مجموعہ جس میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ اہل اللہ، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے مکتوبات تھے۔ جو باہم یا علمائے معاصرین سے کتابت ہوئی تھی، حضرت ابو طاہر مدنی و سید محمد حسین سیدلے و بابا عثمان بن فاروق کشمیری کے بھی خطوط تھے، حضرت شاہ عبد العزیز و سید حسین سیدلے کے خطوط ادبار کے واسطے قابلِ دید ہیں۔ قول الجمیل بھی اس مجموعہ میں تھی۔ اس کے حواشی کی نسبت وہ کہتے تھے کہ خاص جناب مولانا علیہ الرحمہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، بذور البازغہ بھی دیکھنے میں آئی، ایک رسالہ ملا محب اللہ بہاری کا فطرۃ الالہیہ تھا، بذور البازغہ، حجۃ اللہ البالغہ کے انداز کا رسالہ ہے حکمت الٰہی میں۔

شاہ صاحب کا خاندانی مقبرہ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندیوں میں حضرت شاہ صاحب کے تمام خاندان کے مزار ہیں، شاہ عبد الغنی صاحب بھی وہیں مدفون ہیں، اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے سب صاحبزادے اور مولانا اسمٰعیل صاحب کے فرزند رشید مولوی محمد عمر صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کی والدہ ماجدہ اور ہندیوں کو جاتے ہوئے راستہ میں سڑک سے کچھ فاصلہ پر حضرت شاہ عبد العزیز صاحب شکر بار کا مقبرہ ہے، جو حضرت شاہ

www.abulhasanalinadwi.org

عبدالرحیم صاحب کے نانہالی اجداد میں ہیں، افسوس ہے کہ یہ خاکسار اسی طرف سے گیا۔ اور اس مقبرہ میں پہنچ کر طبیعت بہت رکی، اور دیر تک وہاں کھڑا رہا، لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ حضرت شکر بار کا یہی مزار ہے، مجھ سے بہت بڑی غلطی یہ ہوئی کہ پہلے مدرسہ جاکر ان بزرگ سے ملاقات نہیں کی، ورنہ یہ اجنبیت نہ رہتی۔

شاہ صاحب کا اصل وطن

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرات اصل باشندے رُتنک کے ہیں، شاہ عبدالرحیم صاحب کے والد ماجد شاہ وجیہ الدین صاحب دہلی تشریف لائے۔ ان کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب نے یہیں قیام قبول کرلیا، شاہ عبدالرحیم مہندیوں میں رہتے تھے، پہلے وہاں آبادی تھی، جہاں اُن کے مزار ہیں، یہ خاص حجرہ شاہ عبدالرحیم صاحب کا تھا، وہاں مدرسہ بھی تھا، اور مسجد بھی، وہ سب مندرس ہوگئی۔ یہ مسجد جواب ہے یہ شاہ اسحٰق صاحب کے وقت میں کسی ارادت مند نے بنوادی ہے۔ احاطہ مزاروں کا بالکل شکست ہوگیا ہے، شاہ عبدالرحیم صاحب کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نئے شہر میں تشریف لائے۔ یہ مدرسہ ان کو دیا گیا اور یہیں رہ پڑے، شاہ عبدالرحیم صاحب کی پہلی شادی سونی پت میں ہوئی تھی، ان سے ایک صاحبزادے ہوئے صلاح الدین، ان سے اولاد نہیں چلی، دوسری شادی ساٹھ برس کی عمر میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بشارت کے موافق پھلت میں اپنے ایک مُرید کے یہاں کی، اُن سے دو صاحبزادے ہوئے، شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ، پھلت والوں کا خاندان صدیقی ہے، اور شاہ صاحب کا فاروقی، شاہ اہل اللہ ہمیشہ ننہال میں رہتے۔ قرابت اس خاندان کی ہمیشہ سونی پت کے سیدوں میں یا پھلت کے صدیقیوں میں ہوا کی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کی بھی دو شادیاں ہوئیں، پہلی پھلت میں ہوئی، شیخ محمد صاحب کی بیٹی سے، جن کے پوتے ہیں شاہ محمد عاشق صاحب ان سے ایک صاحبزادے ہوئے شیخ محمد صاحب، وہ بھی ہمیشہ پھلت میں رہے، دوسری سید ثناء اللہ کی بیٹی سے ہوئی، ان سے چار صاحبزادے ہوئے، جو دین کے چار ارکان یا جسد علم کے اربع عناصر تھے، ان حضرات کے حالات بہت دیر تک مولوی صاحب بیان کرتے رہے، میں نے مغرب کی نماز وہیں پڑھی پھر کھانا کھاکر بھی تھوڑی دیر بیٹھا، مولوی صاحب ان حضرات کے حالات میں ایک کتاب لکھ رہے ہیں، وہ دیر تک سناتا رہا۔ اس کے بعد میں نے خدا حافظ کہا، لیکن مولوی صاحب باوجود میرے انکار کے گلی کے نکڑ تک مشایعت

www.abulhasanalinadwi.org

میں آئے، وہاں اپنا آدمی لالٹین لے کر ساتھ کردیا، چلتے وقت مجھ سے ہمعات کی فرمائش کی، اور میں رخصت ہوکر روانہ ہوا، جامع مسجد کے قریب میں نے اُن کے آدمی کو رخصت کیا، کیونکہ لالٹینیں سڑک پر روشن تھیں، اور راستہ بھی مجھ کو معلوم تھا۔

جامع مسجد میں واعظوں کے دنگل

روز جمعہ، ۲۰ رجب۔ آج صبح سے دوپہر تک قیام گاہ میں رہا۔ دوپہر کو کھانا کھاکر جامع مسجد نماز کے واسطے گیا۔ نماز کے بعد چار جگہ وعظ ہونے لگا، منبر پر مولوی محمد اکبر وعظ کہتے ہیں، یہ بزرگ حنفیوں کا خوب خاکہ اڑاتے، دل کھول کر تبرا کرتے ہیں، اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہدایہ پڑھانے سے توبہ کی ہے، فرماتے تھے کہ "آج کون ہے کہ جس نے ہدایہ پڑھانے سے توبہ کرکے کلام مجید کی تعلیم شروع کی ہو، سب جہنم میں جائیں گے" اور وعظ میں ہر ہر بات پر اپنی بڑائی بیان کرتے ہیں، ہر آیت کو اہل دہلی اور اپنے اوپر اتارتے ہیں، اہل دہلی کو ظالمین اور مشرکین سے ملاتے ہیں، اور اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عیاذاً باللہ، دوسرے صاحب میذنہ کے پاس بھی اسی طور پر حنفیہ کا خاکہ اڑا رہے تھے، لیکن کف لسان کے ساتھ، تیسرے صاحب دوسری جانب میذنہ کے محدثین و متبعین سب کی خبر لے رہے تھے، انتساد قیام تعظیمی کے منع کرنے پر سخت سست کہہ رہے تھے، چوتھے صاحب حوض پر کچھ مناجاتیں اور نعتیہ غزلیں پڑھ کر لوگوں کو اپنی طرف راغب کررہے تھے، الغرض ایک ہڑبونگ تھا، اس ہڑونگے پن کو دیکھ کر نہایت افسوس ہوا، خدا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں، جب سلطنتِ اسلام جاتی رہی تو جس کا جو جی چاہے کہے اور کرے۔

مدرسہ حسین بخش میں وعظ

وہاں کی یہ حالت دیکھ کر منشی حسین بخش کے مدرسہ آیا، یہاں نماز ہوچکی تھی اور وعظ کی تیاریاں ہورہی تھیں، لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا، جامع مسجد سے بھی لوگ صرف وعظ کے سننے کو یہاں آئے تھے۔ مولوی کرامت اللہ صاحب یہاں وعظ کہتے ہیں، ان کے وعظ میں فقیر کو بہت دلبستگی ہوئی۔ اوّل سے آخر تک بیٹھا رہا، یہ بزرگ صوفی مشرب معلوم ہوتے ہیں۔ عصر کی نماز پڑھ کر چاندنی چوک ہوتا ہوا مغرب تک قیام گاہ پر واپس آیا۔

پُرانی دلّی

روز شنبہ ۲۸۔ رجب۔ آج صبح کو اُٹھ کر قطب صاحب کی سیر کا ارادہ ہوا۔ اس وجہ سے کھانا جلد پکوا کر کھالیا، یہاں سے وہاں تک ایک روپیہ میں یکّہ ہوا، یہ خاکسار

www.abulhasanalinadwi.org

اور برادر صاحب مکرمی سید خلیل الدین اور عزیزی محمد صالح سوار ہوکر چلے، دہلی دروازہ سے باہر نکل کر جیل خانہ اور کوٹلہ کے درمیان سے سڑک گئی ہے، یہیں سے آثار مندر مساجد و مزارات و قلعہ جات و محلات کے شروع ہوئے، جن کے کھنڈروں پر کائی جمی ہوئی ہے، کوئی رہنے والا نہیں، ٹوٹی پھوٹی عمارتیں پڑی ہیں، کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ ان عمارتوں کو کس کس نے بنایا تھا۔ ہزاروں عمارتیں ہیں جن کے آثار بھی باقی نہیں ہیں۔ مساجد و مشاہد کے آثار اس وجہ سے باقی رہ گئے کہ وقف ہونے کی وجہ سے وہ توڑی نہیں گئیں۔ تاہم کتنی مساجد و مشاہد ہیں جو نیست و نابود ہوگئی ہیں، کتنے قلعہ ہیں جو سر بفلک کشیدہ ہیں، لیکن تغیرات زمانہ سے شکست ہوگئے ہیں، کچھ دنوں میں ان کا نام و نشان بھی نہ رہے گا، چار میل پر جاکر اسی قسم کے آثار و نشانات زیادہ پائے گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک شہر ویران و خراب پڑا ہوا ہے، جس کے مکانوں کی چھتیں گر گئی ہیں، دیواریں ٹوٹ گئی ہیں، کچھ کھڑی ہیں، کچھ پڑی، انہی میں حضرت نظام الدین اولیا کا مقبرہ ہے، جس کو یہاں کے عرف میں سلطان جی اور نظام الدین کہتے ہیں، پھاٹک کے اندر ایک باؤلی بہت بڑی ہے، وہ اسی وقت کی بنائی جاتی ہے، اس کی دیوار بہت اونچی ہے، اس کے کنارہ کنارہ ہوکر اندر گئے، بیچ صحن میں قبہ تھا، اس کے اندر مزار مبارک ہے، اس کے گرد سنگ مرمر کا کٹہرہ ہے، جس کو شمس الامرا امیر کبیر خورشید جاہ بہادر نے نذر گزرانا ہے، سرہانے بلندی پر ایک کلام مجید بخط نسخ جلی حروف بہت صحیح رکھا ہے، تمام صحن میں سنگ مرمر کا فرش ہے، وہاں سے آگے بڑھ کر دو مقبرے سنگ مرمر کے ہیں، ان پر قبہ نہیں ہے، ان کے کواڑ بھی سنگ مرمر کے ہیں، ان کا کام قابل دید ہے، داہنے طرف والا محمد شاہ کا ہے، ان دونوں کی ساخت اعلیٰ درجے کی ہے، وہاں سے آگے بڑھ کر امیر خسرو دہلوی کا مقبرہ ہے، اُن کے مزار کے گرد بھی سنگ مرمر کا کٹہرہ شمس الامرا کا بنوایا ہوا ہے، ان مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر مسجد دیکھنے کو آئے، اس کے قریب ایک اور سنگ مرمر کا مقبرہ ہے، اس میں تین قبریں ہیں، ایک نواب جہاں آرا بیگم کی ہے، اس کے لوح مزار پر یہ شعر کندہ ہے ؎

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

اس کے تلے لکھا ہے، "الفقیرۃ الفانیہ جہاں آرا بیگم مرید خواجگان چشت بنت شاہجہاں بادشاہ"۔ مسجد علاء الدین غوری کی بنوائی ہوئی ہے، سنگ سرخ کی، اس کی بلندی و وسعت قبہ و سنگ تراشی کا کام قابل دید

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، دیکھ کر آدمی متحیر ہو جاتا ہے، اس کو دیکھ کر باہر نکلے، ان مقبروں میں مزارات اور بھی کثرت کے ساتھ ہیں۔ مجاورین یہاں کے نہایت سلیقہ کے ہیں۔ ہمارے جانے سے کچھ غل شور نہیں ہوا، سب بجائے خود بیٹھے رہے کسی نے سوال بھی نہیں کیا، جو دیا وہ لے لیا۔

قطب صاحب

وہاں سے نکل کر قطب صاحب گئے، قطب صاحب شاہجہاں آباد سے گیارہ میل ہے، اس مسافت میں کئی قلعے راستہ میں ملے، دہلی کی پرانی آبادی یہاں کثرت سے ہے، شہر آباد ہے، لیکن نہایت بے رونق، جہاں تک نگاہ جاتی ہے سوا ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کے اور کچھ نظر نہیں آتا، ہر چند کہ آبادی کے شروع میں قطب صاحب کی لاٹ ملتی ہے لیکن ہم سیدھے قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر گئے، راستہ ہی میں مجاورین نے یکہ کے ساتھ دوڑنا شروع کیا، شہر میں پہنچ کر اور بھی جمع ہو گئے۔ مزار کے پاس پہنچ کر انبوہ ہو گیا، سائلوں نے دست درازی شروع کی، اس مقبرہ میں چار دیواری کی عمارت بھی سنگِ مرمر کی ہے، قبہ نہیں ہے، اس کے گرد و پیش صدہا قبریں ہیں، وہاں فاتحہ پڑھ کر نکلے، مسجد وغیرہ دیکھیں، سائلوں کا انبوہ ساتھ تھا، جو کچھ ہو سکا وہ اُن کو دے کر بمشکل عقب گذاری کی، وہاں سے بہادر شاہ خاتم السلاطین کے مسرت محل کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے باہر آئے، باہر ایک مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی، بھائی جی وہاں ٹھہر گئے، میں اُٹھا مسجد دیکھنے کو، بازار ہوتا ہوا شہر سے باہر نکلا، جھریا پروہ مسجد ہے، جہاں پھول والوں کی سیر ہوتی ہے، مسجد کے گرد و پیش مزار ہیں، مسجد بلا محراب و سقف و ستون کے ایک بلند مقام پر ہے۔ نیچے اُس کے جھیل ہے، اور اس پر سایہ دار درخت ہیں، گرد مرتفع چبوترہ ہے، اس کے نیچے حوض میں مسجد ہے، یہ مقام نہایت ہی دل کش و فرحت بخش مہبط انوار الٰہی ہے، وہاں جانے سے طبیعت منشرح ہوتی ہے، ایک معمر آدمی وہاں ایک کوٹھری میں بیٹھا ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسجد میں حضرت معین الدین چشتیؒ خواجۂ بزرگ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ تشریف رکھتے تھے، اور اولیاء کبار اس وقت جمع ہوتے تھے، واقعی عجیب جگہ ہے، جیسی دلچسپی مجھ کو یہاں ہوئی اس وقت تک کسی مقام میں نہیں ہوئی۔

اس پیر مرد سے میں نے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے مقبرہ کو پوچھا، اس نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے ایسا پتہ دیا کہ باوجود کوشش کے میں وہاں تک نہ پہنچ سکا، بلا مبالغہ میں نے اس وقت اپنی پوری ہمت سے کام لیا، اور کم سے کم اس جھیل کے گرد و پیش کھنڈروں کو روندتا مزاروں کو پھاندتا اتنا چلا کہ کوس

www.abulhasanalinadwi.org

بھر سے زیادہ مسافت پڑ گئی، اور میں تھک گیا، پھر کوئی آدمی بھی نہ ملا جس سے نشان پوچھتا، اولیاً مسجد سے اتنا دور نکل گیا کہ پھر لوٹنے کی ہمت نہ ہوئی، حالانکہ بعد کو معلوم ہوا کہ اولیا مسجد کے پاس ان کا مزار تھا، وہاں سے آنکھ پھاڑ کر جدھر میں دیکھتا تھا۔ سوا کھنڈروں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ مجبور ہو کر وہاں سے بازار ہوتا ہوا اس جگہ پر واپس آیا جہاں بھائی جی اور محمد کو چھوڑ گیا تھا، پھر ہم سب یکہ پر سوار ہوئے، اور واپس چلے۔

قطب مینار قطب صاحب کی لاٹ پر پہنچ کر پھر اُترے، اس کی عمارت قابلِ دید ہے۔ یہ مسجد کا ایک مینار ہے، جو پرتھی راج کے بت خانہ کو توڑ کر بنوایا جاتا تھا، اس کے بتخانہ کے نشانات بھی مسجد کے زینہ میں اب تک موجود ہیں ایک مینار صرف بنا تھا، دوسری میں لگا لگا تھا، کچھ محرابیں بن چکی تھیں کہ داعیٔ اجل نے بانی کو پکارا، اور وہ جاں بحق تسلیم ہوا۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے اس مسجد کی شمس الدین التمش نے بنیاد ڈالی تھی، اگر بن جانی تو تمام عالم میں بے مثل عمارت ہوتی، مسجد اباصوفیہ کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ ہوتی۔ ولید بن عبدالملک کی مسجد جو دمشق میں ہے لوگ بھول جاتے، اس وقت اس کے صرف ایک مینار کو دیکھنے یورپ سے لوگ آتے ہیں۔ باوجودیکہ دو کھنڈ اس کی اُتار لی گئی ہیں، لیکن اب بھی اتنا مرتفع ہے کہ اس کے برابر اور کوئی مینار مرتفع نہ ہوگا۔ تین سو سے زائد زینے ہیں، ان سب باتوں کے قطع نظر کر کے سنگ تراشی کا کام دیکھئے تو عقل حیران ہوتی ہے، آذر ہوتا تو وہ بھی دیکھ کر مبہوت ہو جاتا۔ میں نے سانچی کانا کھیڑہ کی عمارتیں دیکھی ہیں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو برس پیشتر کی عمارتیں ہیں، اور سنگ کو موم کر دیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس کے سامنے اُس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اہرام مصری کا نام ہی نام ہے، وہ انگھڑ بے جوڑ عمارت اس کی برابری کیا کر سکتی ہے، سیاحوں نے مان لیا ہے کہ یہ عمارت لاثانی ہے، اس کے داہنی طرف ایک بہت مرتفع دروازہ ہے، اس کے اندر ایک وسیع گنبد ہے جس کا کام تعبیہ مینار کا سا ہے۔ اس کو دیکھ کر بھی حیرت ہوتی ہے۔ اس کو علاء الدین غوری کا بتلاتے ہیں، مجھ کو اس میں تامل ہے۔ اس مقام پر تاریخ فرشتہ دیکھنی چاہیئے یا آثار الصنادید مصنفہ ڈاکٹر سید احمد خاں بہادر، ناظرین! یہ عمارتیں ایسی نہیں ہیں جن کے پورے پورے حالات

www.abulhasanalinadwi.org

کوئی بیان کرسکے، اور کوئی شاید بیان کرسکے، لیکن میں معترف ہوں کہ ایک شمہ بھی ان کے واقعی حالات کا مجھ سے بیان نہیں ہوسکتا، اور وہ شخص کیا بیان کرسکتا ہے جس نے ان کو آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھا ہو، جس نے ایسی آنکھ سے دیکھا ہو جس میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے ہوں۔ کوئی یورپین یا ہندو جنٹلمین ان کو تماشا گاہ سمجھتا ہو تو ہو لیکن میں کیا تمام مسلمان ان کو مرقع عبرت یا افسانۂ حسرت خیال کرتے ہیں، مسلمانوں کو اس سے زیادہ کیا حسرت کا مقام ہوگا کہ وہ ان اقبال مندیوں کے مقابلہ اپنی حالت کو حقیقی ادبار میں پاتا ہے۔ سچ ہے ملک و دولت میں کسی کا اجارہ نہیں "یؤتی ملکہ من یشاء"

ع اوست سلطاں ہر چہ خواہد او کند

منصور علی خاں کا مقبرہ | وہاں سے پھر سوار ہو کر کارخانۂ قدرت کی نیرنگیوں کو چپ و راست چشم حسرت سے دیکھتا ہوا پھر چلا، تقریباً چھ میل نکل کر منصور علی خاں کا مقبرہ ملا، یہ نہایت عالی شان مقبرہ ہے، اس کا رقبہ بہت وسیع ہے، اور اندر وسط میں مقبرہ ہے۔ پھاٹک کے قریب سنگِ سرخ کی مسجد ہے، مقبرہ بھی سنگِ سرخ کا ہے، سنگِ مرمر کی گوٹ اور تحریریں قابلِ دید ہیں سنگ تراشی اور لداؤ کا کام نظارہ سے متعلق ہے، ایک عمارت ہو تو اس کی تعریف کی جائے، ایک کو دیکھ کر ایسی حیرت ہوتی ہے کہ دوسری بھول جاتی ہے۔

میں باوجودیکہ دو ہفتہ برابر کوشش کرتا رہا، تاہم بہت سی عمارتیں دیکھنے کو چھوٹ گئیں، سید حسن رسول نما کا مزار اجمیری دروازہ سے باہر پہاڑ گنج کے آگے پنج کنوؤں میں ہے، باوجود آرزو کے وہ بھی نہیں دیکھ سکا، حضرت نصیر الدین روشن چراغ دہلی کا مزار سلطان جی سے کچھ فاصلہ پر راستہ سے دور بڑی دشوار گذار جگہ میں ہے کہ یکہ آسانی سے نہیں جاسکتا، اسی کے قریب کچھ ہٹ کر حضرت سید نور محمد بدایونی کا مزار ہے۔ ان مزاروں پر بھی نہیں جاسکا۔ شیخ عبدالحق دہلوی کے مزار تک بھی نہیں پہنچ سکا، حضرت شیخ محمد عابد سنامی کا مزار قدم شریف سے کچھ آگے ہے، لیکن اب وہ بالکل مٹ گیا ہے، وہاں بھی جانا نہیں ہوسکا، ان مزاروں کے سوا اور مزاروں کی گنتی نہیں ہوسکتی، اس خاک پاک سے ایسے ایسے برگزیدہ لوگ نکلے ہیں، اور اسی خاک پاک میں مدفون ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔

ماتم | اے دلّی اب ہم تجھ سے رخصت ہوتے ہیں، اے مرقع عبرت، اے تازیانۂ غیرت اے افسانۂ

www.abulhasanalinadwi.org

حسرت، اے آئینۂ حیرت، اے مسلمانوں کی گذشتہ اقبال مندیوں کے نمونے، اے لق و دق صحرا، اے مسلمانوں کی گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندے ہوئے میدان، اے درحقیقت مسلمانوں کی خاکِ پاک، تیرا وہ پرانا جاہ و جلال کہاں، وہ لوگ کہاں ہیں جو تیری زیب و زینت کے باعث تھے، جو تیرے آسمان کے ستارے تھے، تیرے وہ دلاور کہاں ہیں جو راجپوت اور راٹھور بہادروں کی صفیں درہم برہم کردیتے تھے، تیرے وہ بزرگانِ دین کہاں ہیں جن سے روحانیات اور ملائکہ مصافحہ کرتے تھے، وہ اہلِ کمال کہاں ہیں جن سے استفادہ کرنے کو سارے جہاں کے لوگ آتے تھے، ہائے دلّی، ہائے مردہ قوم کی یادگار دلّی تو وہی ہے جس میں قطب الدین ایبک کا تہوّر، شمس الدین التمش کی اولوالعزمی، غیاث الدین بلبن کی تدبیر مسلمانوں کے ظفر و اقبال کا نمونہ تھی، تو وہی دلّی ہے جس کے خلجی و تغلق فرماں رواؤں کی سطوت تمام عالم میں ضرب المثل تھی، تو وہی دلّی ہے جس کے لعل و گوہر دربارِ اکبری کے زیب و زینت تھے، اے خاک پاک دلّی تجھ میں سیکڑوں خانقاہیں اور مدرسے تھے، ان بزرگوں کو تو ہی نے اپنے آغوشِ تربیت میں پالا تھا۔ جن کی جوتیوں کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے، ہائے دہلی یہ تیرا مرثیہ نہیں ہے، قوم کا مرثیہ ہے، اے ہماری شامتِ اعمال کی برباد شدہ دلّی کیا پھر ہم تیرا پھلا جاہ و جلال دیکھ سکتے ہیں، ہم میں وہ فاروقی جلادت، خالدی جرأت، قومی اتفاق، اسلامی جوش، انسانی ہمدردی اب کہاں آسکتی ہے:

افسوس کہ گلرخان کفن پوش شدند
وز خاطر یک و گر فراموش شدند
آنانکہ بصد زباں سخن می گفتند
آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

ان میں تہوّر تھا، ہم میں جُبن ہے، ان میں جرأت تھی ہم میں نامردی ہے، اُن میں قومی اتفاق تھا، ہم میں نفاق، وہ پُرجوش تھے، ہم خاموش، اُن میں انسانی ہمدردی تھی، ہم میں بیدردی، وہ دین و دنیا کو توام سمجھتے تھے، ہم برہم، وہ غیور تھے، ہم بے غیرت، ان میں فخر تھا، ہم میں کبر ہے۔

فریبِ حسن سے گر مسلماں کا چلن بگڑا　　خدا کی یاد بھولا شیخ، بت سے برہمن بگڑا

www.abulhasanalinadwi.org

اے ناظرین! کیا ایسی قوم جو متصف بصفات بالا ہو کبھی گر سکتی ہے۔ اور کیا ایسی قوم جس میں نقائص ہوں کبھی اُبھر سکتی ہے، کیا مردہ بدن میں روح اعادہ کر سکتی ہے، کیوں نہیں کہتے نہیں، جب تک ہم بھی دین و دنیا کو توام نہ سمجھیں، دنیاوی کاموں کے ساتھ دینی اغراض متعلق نہ کریں، نہیں کر سکتی، ہاں کر سکتی ہے۔ اے اللہ! اے منشی و معبد تجھ میں سب قدرت ہے، تو نے عزیر علیہ السلام کی ویران قیام گاہ کو از سر نو سبز کر دیا، تو نے عزیر کے مردہ بدن میں روح پھونکی تو نے حمار کے عظام رمیم پر اکسار حم کیا، تو نے اصحاب کہف کے صدہا سال کے مردہ بدنوں میں روح اعادہ فرمائی، تو نے طیور ابرہہ کو متفرق الاجزا ہو جانے پر زندہ کر کے اپنی قدرت کا تماشا دکھایا، تو نے مسیحؑ کو بے باپ کے پیدا کیا تو نے مسیح کو یہ قدرت دی کہ وہ تیرا نام لے کر مردہ کو زندہ کر دیتے تھے، تو نے عرب کی مردہ اور جاہل قوموں کو دین ابراہیمی ملت حنیفیہ سے ہٹ جانے والے لوگوں کو ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس مسیح سے زندہ کر کے تمام عالم سے زیادہ مہذب کر دیا، تو اس جہان فانی کو یکسر نابود کر کے پھر پیدا کرے گا۔ اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین ٥ وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہ ط قال من یحیی العظام وھی رمیم ٥ قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ ط وھو بکل خلق علیم ٥ الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منہ توقدون ٥ اولیس الذی خلق السمٰوٰت والارض بقادر علیٰ ان یخلق مثلھم ط بلیٰ و ھو الخلاق العلیم ٥ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون ٥ فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شئ والیہ راجعون ٥

اے اللہ، اے ارحم الراحمین! تو اس مردہ قوم کو از سر نو زندہ کر، ان کے دلوں میں اسلامی جوش، قومی اتفاق، انسانی ہمدردی، ان کے بازوؤں میں قوت، ان کے اخلاق میں صلاحیت عطا فرما، پھر تیرے نام پر اپنی جانیں فدا کریں، اور باہم اعدائے یکدگر ہونے کے عوض میں اعضائے یکدگر بن جائیں۔ آمین آمین یا مجیب السائلین۔

www.abulhasanalinadwi.org

پانی پت

روز یکشنبہ ۲۹ رجب۔ میں نے شب ہی کو ارادہ کرلیا تھا کہ ۴ بجے کے پسنجر پر پانی پت جاؤں گا، اسی واسطے سب اسباب یک جا کرکے رکھوا دیا، اور کالے خاں سے کہہ دیا کہ تین بجے جگا دینا، لیکن اس وقت ان کی بھی آنکھ نہ کھل سکی، اور اس وقت کے ارادہ میں میں یوں تبدیلی کی کہ ۱۱ بجے دن کو روانہ ہوں۔ یہ خیال کرکے کہ ابھی دیر ہے، مولوی فضل اللہ سے رخصت ہونے چلا گیا، ان سے حکیم عبد المجید خاں صاحب کے کشتۂ طلا و حب الجواہر کے نسبت دریافت بھی کرنا تھا، وہاں گیا تو انھوں نے چاء کی دعوت کی، واپس آتے آتے وقت نکل گیا، پھر ارادہ ہوا کہ تین بجے کی گاڑی میں روانہ ہوں، چنانچہ اس خیال سے دو بجے اسٹیشن نماز ظہر ادا کرکے آگیا، بھائی جی اور محمد بھی آئے، ٹہلتے رہے، ان کا ارادہ ایک ہفتہ یہاں ٹھہرنے کا ہے، محمد اس عرصے میں آ اوہ چلے جائیں گے، اور وہ ایک ہفتہ کے بعد سیدھے دیوبند جائیں گے، میرا ارادہ یہ ہے کہ ایک ہفتہ میں پانی پت، انبالہ، سرہند ہوکر دیوبند پہنچ جاؤں، پھر میں اور وہ بالاتفاق سہارنپور، رڑکی اور گنگوہ جائیں گے، اگر منظورِ الٰہی ہے، چنانچہ تین بجے گاڑی پر میں سوار ہوا، حسنِ اتفاق سے اس گاڑی پر مولوی ابراہیم صاحب کرنال کے رہنے والے بھی سوار تھے۔ یہ مولوی عبد الرحمٰن رحمہ اللہ صاحب پانی پتی کے شاگرد ہیں، پانی پت جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے راستہ بھر دلچسپی رہی، اور اجنبیت کی وجہ سے مجھ کو جو دقتیں پیش آنے والی تھیں، ان کا اندیشہ بھی جاتا رہا، راستہ ہی میں عصر کی نماز ریل پر پڑھی، ۵ بجے گاڑی پانی پت پہنچی۔

مولانا عبد الرحمٰن صاحب پانی پتی

پانی پت دہلی سے ۵۲ میل ہے، اور ۱۱؍ کرایہ ہے، پانی پت پہنچ کر انھوں نے دو مزدور کئے ایک میرے واسطے، ایک اپنے واسطے، خود اپنی جائے قیام پر گئے اور میرے مزدور سے کہہ دیا کہ ان کو مولوی عبد الرحمٰن صاحب کے یہاں لے جاؤ، میں آکر مسجد میں ٹھہرا۔ مولانا عبد الرحمن صاحب بہت کبیر السن ہیں، وہ مسجد میں نہیں آتے۔ ان کو پانچ چھ برس سے نقرس کا عارضہ ہے، اور ایک سال سے نزول الماء بھی ہوگیا ہے، کبھی ہفتوں نہیں آتے، کبھی جمعہ جمعہ آتے ہیں، کبھی روز عصر کے وقت، مکان ان کا مسجد سے متصل ہے، زنانہ مکان کے بالاخانہ پر رہتے ہیں، اسی وجہ سے آمد و رفت میں دقت بھی ہوتی ہے، بہت خلوت پسند اور دائم صائم ہیں، اسی مسجد کے ایک حجرہ میں پیر محمد ایک میاں جی

www.abulhasanalinadwi.org

رہتے ہیں، پیر مرد ہیں، اُنھوں نے میری بہت خاطر کی، بعد عشا کے کھانا لائے، مجھ کو فی الجملہ یہاں تکلیف ہوئی۔ پیشتر سے یہ معلوم نہ تھا کہ یہاں سرائے بھی ہے، ورنہ دو روز کے واسطے وہاں ٹھہر جاتا، معلوم جب ہوا کہ میں یہاں ٹھہر چکا ہوں، اب یہاں سے اُٹھنا مناسب نہیں ہے۔

قاری عبدالسلام صاحب

روز دوشنبہ۔ یکم شعبان۔ میں کل یہ لکھنے کو بھول گیا کہ اسٹیشن سے آتے وقت میں نے راستے میں چاند دیکھا۔ میرے حساب سے چاند ۲۹۔ کو ہوا، لیکن یہاں آکر سنا کہ آج ۳۰ تاریخ ہے، صبح سے دوپہر تک مسجد ہی میں رہا، دس بجے کے قریب اطلاع ہوتے پر مولوی عبدالسلام صاحب آئے، یہ قاری صاحب کے صاحبزادے ہیں، انھوں نے آکر بہت معذرت کی کہ مجھ کو مجملاً آپ کے آنے کی اطلاع ہوئی، ورنہ میں حاضر ہوتا، صبح کی نماز میں آیا تھا، مگر ضرورت شدید کی وجہ سے چلا گیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے قاری صاحب سے اطلاع کی، اُنھوں نے بعد نماز ظہر بلانے کو کہا، اس عرصہ میں ایک مخدوم زادے قاضی ثناء اللہ صاحب کے رشتہ داروں میں مجھ سے آکر ملے، اور چار کی دعوت کی، اور ایک شخص مولوی محمد حسین صاحب رام پور کے رہنے والے آج کل قاری صاحب کے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ قرأت سبعہ حاصل کرتے ہیں، وہ بھی ملے، ان دونوں بزرگوں نے میری ایسی مدارات کی کہ میں اُن کی عنایتوں کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں، مولوی محمد حسین صاحب سے معلوم ہوا کہ قاری صاحب کو مولانا اسحٰق صاحب سے بالاضافہ مسلسل بالاولیہ کی سماعت ہے، حقیقی سماعت اخوند منصور سے ہے، اور ان کو مولانا اسحٰق صاحب سے، مجھ کو اس بات کے سننے سے نہایت ہی رنج ہوا۔ کیونکہ میں زیادہ تر مسلسل بالاولیہ کے اشتیاق میں آیا تھا، ظہر کے بعد قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مسلسل کی درخواست کی، انھوں نے مسلسل بالاولیہ سنائی، اور یہ بھی کہا کہ مجھ کو بالحقیقۃ اخوند منصور سے اس کی سماعت ہے، اور اُن کو میاں صاحب سے، اور میاں صاحب کو بھی ایک ولائتی سے، اور اُن کو حضرت شاہ صاحب سے، اور بالاضافہ مجھ کو مولوی عبدالقیوم صاحب کو مولانا اسحٰق صاحب سے ہے، اور میاں صاحب کو بالاضافہ شاہ صاحب سے۔ بعد مفارقت طویلہ کے حقیقۃ کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد میں نے اوائل صحاح ستہ کے سنائے اور اس کی اجازت انھوں نے دی، اور میرے واسطے بایں الفاظ دعا فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ تمھارے پڑھنے پڑھانے میں برکت دے، اور نیت بخیر رکھے"۔ میں نے سند لکھنے کی درخواست اس واسطے نہیں کی کہ وہ آنکھ سے معذور ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

دوسرے سے لکھوائیں گے تطویل ہوگی، اور مجھ کو رہنا بہت کم ہے، بہرحال جو میری غرض تھی وہ حاصل ہوگئی۔

مولانا کا درس

آج کل مولوی صاحب باوجود کبرسن وعذر شدید کے تین سبق پڑھاتے ہیں، دو سبق تو قرأت سبعہ کے، ایک عورتوں کو اور ایک مردوں کو، اور ایک سبق موطا کا، یہ سبق وہی صاحب پڑھتے ہیں جو رامپور کے رہنے والے ہیں، مولوی صاحب سے رخصت ہوکر میں باہر آیا، اور انہی مخدوم زادہ صاحب کے ساتھ زیارت مشاہد کے واسطے چلا۔

پانی پت کے مزارات

پہلے بوعلی شرف قلندرؒ کے مزار پر آیا، یہ بہت وسیع حظیرہ ہے، اور نہایت آراستہ مقبرہ ہے، اندر سنگ مرمر کا فرش ہے۔ آٹھ ستون اس میں کسوٹی کے پتھر لگے ہیں، ان کی قبر پر فاتحہ پڑھا، اندر ایک مقبرہ ہے اس میں مبارز خاں کی قبر ہے مشہور یہ ہے کہ یہ ان کے محبوب تھے، ان کی قبر پر فاتحہ پڑھا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب کا گھر

پھر قاضی ثناء اللہ صاحب مرحوم رح کے دولت خانے پر آیا، بہت بڑے بڑے محلات ہیں، لیکن اب شکست ہوگئے ہیں، ان کے اب کوئی اولاد پسری نہیں ہے، دختری اولاد میں کچھ لوگ ہیں، ان کی خاص نشست کے مکان میں اب مدرسہ اسلامیہ ہے، یہ بیس برس سے جاری ہے، مولوی محفوظ اللہ صاحب نے جو قاضی صاحب کے پوتے تھے - ۱۲۹۲ھ میں اس کو جاری کیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ ان کا اسی سال انتقال ہوگیا، اور یہ مدرسہ ان کی زندگی میں نشوونما کو نہ پہنچا، مولوی راغب اللہ صاحب اس مدرسہ میں مدرس عربی ہیں۔

یہ بزرگ مولوی محب اللہ صاحب کے بیٹے ہیں جنھوں نے اوّل اوّل اپنی صحت سے لکھنؤ مطبع مصطفائی میں کلام مجید چھپوایا تھا، مولوی راغب اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، بہت خلق و مروت سے پیش آئے، جس وقت میں گیا ہوں ملا جلال کا سبق پڑھا رہے تھے وہاں سے اٹھ کر مدرسۂ قرأت میں آیا، اس کے مدرس حافظ عبدالرحمٰن صاحب نابینا ہیں، انھوں نے اس ناچیز کی حد سے زیادہ توقیر کی، اس مدرسہ میں اٹھارہ طالب علم باہر کے ہیں، باقی شہر کے۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے باوجود بدمزگی طبیعت کے میری فرمائش سے ایک رکوع سنایا، یہ اہل علم بھی ہیں۔ قرأت سبعہ کے متعدد سبق ان کے یہاں ہوتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

قاضی صاحب کا مزار وہاں سے اُٹھ کر قاضی صاحب کے مزار پر آیا، یہ مزار بھی گونچتہ ہے، لیکن سقف وستون گنبد وغیرہ کچھ نہیں ہیں، چار دیواری کے اندر ان کا مزار ہے، اور باہر اُن کے صاحبزادوں مولوی دلیل اللہ ومولوی احمد اللہ صاحب وغیرہ کا، ان سب پر میں نے فاتحہ پڑھا۔

خواجہ شمس الدینؒ ترک کا مزار وہاں سے خواجہ شمس الدین ترک علیہ الرحمۃ کے مزار پر آیا، یہ شہر سے باہر ہے، یہاں بھی بہت دھوم دھام ہے، فاتحہ پڑھ کر آگے بڑھا، انہی کے مزار سے کچھ دور آگے مولوی غوث علی شاہ صاحب کا مزار ہے

غوث علی شاہ صاحب یہ بہت مشہور بزرگ ہیں، ہمیشہ سیاحت میں ان کی گذری، آخر کو شاہ بوعلی قلندر کے مقبرہ میں قیام فرمایا، اور یہیں انتقال کیا، مزار ان کا وصیت کے موافق شہر سے باہر بنایا گیا، ان پر فاتحہ پڑھا۔

بدر شہید پھر حضرت امام بدرالدین شہیدؒ کے مزار پر حاضر ہوا، یہ شہر سے بہت دور ہے، ان کا مزار بھی بہت آراستہ ہے، اُن کے مزار سے کچھ فاصلہ پر اُن کے لشکر کے علم بردار حضرت سیّد علی اکبر کا مزار ہے، یہ مزار بھی بے سقف وستون ہے، ایک چار دیواری کے اندر ہے، مجھ کو یہ جگہ بہت پسند آئی، بہت دلچسپ ہے، اس شہر میں چار درگاہوں کے واسطے ایک گاؤں معاف ہے، اسی سے اُن کے مصارف ہیں۔

شاہ بوعلی قلندر ایک شاہ بوعلی قلندرؒ کا مزار، یہ سب مزاروں سے زیادہ دھوم دھام کا ہے، دونوں وقت یہاں نوبت بجتی ہے، دوسرا خواجہ شمس الدین ترکؒ کا، تیسرا امام بدرالدین کا، چوتھا سیّد جلال الدین کبیر الاولیاء کا۔ یہ بزرگ مخدوم صاحب کے لقب سے مشہور ہیں پانی پت کے مخدوم زادے انہی کی اولاد میں ہیں، قاضی ثناء اللہ صاحب بھی انہی کی اولاد میں سے تھے، ان کے مزار پر بھی خاکسار حاضر ہوا۔

شہر پانی پت پانی پت بہت پرانا شہر ہے، غدر سے پیشتر ضلع یہیں تھا، اب کرنال میں ہے۔ اس شہر میں ایک سو چودہ مسجدیں ہیں، اور آٹھ سو سے زیادہ حافظ ہیں، قرآن شریف کے مدرسے بھی کئی ہیں یہ شہر چار حصّوں پر منقسم ہے، ایک حصہ انصاریوں کا، ان کے متعلقین اور شاگرد پیشہ ورعایا وغیرہ۔ سب اسی محلہ میں ہیں۔ ان کی معافیاں بھی اسی جانب ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

اور رعایا کے مکانات اسی محلہ میں ہیں، تیسرا افغانوں کا، چوتھا راجپوتوں کا۔ ایک حصہ سے نکلئے تو بڑے بڑے پھاٹک ملتے ہیں۔ آبادی اچھی ہے، سب چیزوں کو دیکھ کر مغرب کے وقت مسجد آیا، یہاں آکر مولوی محمد حسین رامپوری، وقاضی عبدالخالق مخدوم زادہ سے لطف وحکایات میں شب بسر ہوئی۔

سرہند کا سفر۔ روز سہ شنبہ دویم شعبان تین بجے اُٹھ کر میں نے احتیاطاً وضو کر لیا اور پانی پت کی آبادی سے نکل کر اسٹیشن آیا۔ گاڑی کے آنے میں ابھی دیر تھی، وہاں جو میں نے خیال کیا تو اسباب میں لنگی نہ تھی، مگر اب اتنا وقت نہ تھا کہ میں جاتا، اور آج کا قیام بھی نہیں چاہتا تھا، اسی اثنار میں چار بج گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اُٹھ کر نماز پڑھی، اور ٹکٹ لے کر گاڑی میں سوار ہو گیا، یہاں سے کمپ انبالہ کے ۱۴ر پڑے، میری رائے یہ ہوئی کہ پہلے سرہند ہو آؤں پھر مولوی محمد جعفر صاحب سے ملاقات کروں، شاید وہ روکیں تو وہاں کا جانا رہ جائے گا۔ اس خیال سے میں نے کمپ انبالہ پہنچ کر دوسرا ٹکٹ سرہند کا لیا، یہاں گاڑی بدلی جاتی ہے۔ جو گاڑی کلکتہ سے الہ آباد دہلی ہوتے ہوئے آتی ہے، وہ سیدھی کمپ انبالہ سے کالکا چلی جاتی ہے، جو شملہ کا اسٹیشن ہے، دوسری گاڑی لاہور جانے والی آتی ہے، اس پر لاہور جانے والے مسافر اس گاڑی سے اُتر کر سوار ہو جاتے ہیں۔ کمپ سے سرہند کا ٹکٹ ۶ر کو ملا، یہاں سے دس بجے روانہ ہوا اور ۱۲ بجے کے قریب سرہند پہنچا، یہاں سے مرقد مبارک بہت دور ہے، تاہم ۱ر میں یکہ ہو گیا اور میں خانقاہ شریف میں پہنچا۔

سرہند یہ خانقاہ شہر سے علیحدہ ہے، اصل یہ ہے کہ سرہند اب بہت ویران ہو گیا ہے عشر عشیر بھی آبادی نہیں رہی۔ میلوں تک بنیادیں اور سڑکیں نظر آتی ہیں، جواب کھلے میدان میں پڑی ہیں۔ اس وجہ سے آبادی ایک گوشہ میں ہو گئی ہے، بلکہ دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ ایک وہی پرانا شہر سرہند، دوسرا خانقاہ شریف کے دوسرے جانب ہے۔ اس کا نام بسی ہے، یہ بہت پُر رونق ہے۔ بہرحال خانقاہ شریف پہنچ کر پہلے میں مسجد گیا وہاں ولائتیوں کا ہجوم تھا۔

خلیفہ صاحب ظہر کی نماز کے بعد خلیفہ صاحب سے ملا۔ ان کا نام سید محمد حسین ہے اصل میں مالیر کوٹلہ کے رہنے والے، سنجیدہ، متواضع، متین، خلیق، منتظم معلوم ہوتے ہیں خانقاہ شریف کے متولی بھی ہیں۔ انھوں نے ملاقات کے بعد میرا اسباب اُٹھوا کر اپنے حجرہ میں منگوالیا۔ اس کے بعد خاکبخش خادم آستانہ ایک پیر مرد کو بلا کر حکم دیا کہ مجھ کو زیارت کے واسطے لے جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

خدا بخش مجھ کو ساتھ لے گئے۔ قفل کھول کر کنجی میرے حوالہ کی کہ جب تک دل چاہے بیٹھئے، پھر بند کر کے کنجی مجھ کو دے دیجئے گا۔

مجدد صاحب کا مزار

میں اس گنبد کے اندر گیا، ایک بہت بڑی قبر ہے۔ جس پر سبز ریشمی کام کی بہت بڑی شال، جو شاید اسی غرض سے بنوائی گئی ہو، پڑی ہوئی ہے۔ یہ مرقد مبارک حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی روح اللہ واوصل الینا فتوحہ کا ہے، اس کے پاس مشرق کے جانب تین قبریں اور ہیں۔ ایک دیوار سے ملی ہوئی مختصر سی اور دو سٹ کر ان دونوں پر ایک سرخ شال پڑی ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک مزار مبارک خواجہ محمد صادق کا ہے، دوسرا خازان الرحمۃ اللہ علیہما کا، اور جو قبر دیوار سے ملی ہوئی ہے اس میں اشتباہ ہے کہ آیا کسی صاحبزادہ کی ہے یا خلیفہ کی۔ بہرحال دیر تک میں وہاں بیٹھا، وہاں سے نکل کر دروازہ بند کر کے اور مزارت پر فاتحہ پڑھا۔

دوسرے مزارات

اسی سے متصل ایک چھوٹا گنبد اور ہے، اس میں تین قبریں ہیں، وسط میں حضرت خواجہ محمد یحییٰ بن امام ربانی رحمہما اللہ کی ہے، اور اس کے دونوں پہلوؤں میں ایک قبر شاہ فقیر الدین بن شاہ زین العابدین بن شاہ محمد یحییٰ کی، دوسری شاہ رضی الدین بن شاہ زین العابدین موصوف کی، ان پر فاتحہ پڑھ کر باہر نکلا۔ یہاں مزارات بہت ہیں۔ اکثر حضرت کے عشائر و خلفا و مریدین کے و بیشتر شاہزادوں[1] اور امرا و سلاطین کے، جن کو حضرت سے عقیدت تھی، اکثر مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر باہر آیا۔ کنجی خادم کو دی، اس وقت کھانا مہمانوں اور مسافروں کو تقسیم ہو رہا تھا، میرے واسطے بھی ایک قاب پلاؤ کی خلیفہ صاحب نے بہت تکلف کے ساتھ بھیجی، ہر چند کہ مجھ کو خواہش نہ تھی، کیونکہ کیمپ انبالہ سے کھا کر میں چلا تھا۔ تاہم ردِ دعوت کو معیوب سمجھ کر میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد پھر میں زیارتوں کے واسطے خانقاہ شریف کے احاطہ سے باہر آیا۔

باغ کے احاطہ میں بھی مختلف حضرات کے مزار ہیں، سب سے پہلے حضرت قطب العالم خواجہ محمد زبیر کا مرقد منور ہے (ابن شیخ ابوالعلیٰ بن حضرت خواجہ حجۃ اللہ نقش بند ثانی بن حضرت ایشان) ان پر فاتحہ پڑھ کر باہر آیا

مزار خواجہ محمد معصوم حضرت ایشان

اس کے بعد حضرت ایشان کے مزار کا گنبد ہے، اس میں پانچ مزار برابر ہیں، اور تین مزار پائیں میں۔

www.abulhasanalinadwi.org

تین پائیں کے مزار شاید خلفاء کے ہیں اور برابر جو مزار ہیں ان میں سب سے بڑا مزار بیچ میں حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم حضرت ایشان کا ہے، اس کے داہنے جانب حضرت ایشان کے مزار کے متصل حضرت خواجہ محمد اشرف فرزند چہارم حضرت ایشان کا مزار ہے، اس کے بعد حضرت قیوم الزمان خواجہ محمد صبغۃ اللہ فرزند تحسین حضرت ایشان کا مزار ہے، اور پائیں جانب حضرت ایشان کے مزار کے متصل حضرت مروج الشریعۃ خواجہ عبید اللہ بن حضرت ایشان کا مزار ہے اس کے متصل حضرت خواجہ اہل اللہ بن خواجہ عبید اللہ کا مزار ہے، اس مزار میں اشتباہ تھا اس واسطے اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"مخفی نماند کہ مرقد مبارک حضرت شیخ ابو العلیٰ در عمدۃ المقامات بمعہ برادر دوئی کہ شیخ محمد عمر نام دارند در قبۂ شریف والد ایشان قرار دادہ اند و تصریح نمودہ اند کہ ایں دو برادران در قبۂ والا ایشان حضرت خواجہ نقش بند ثانی مدفون اند، و صاحب ایں قبر کہ متصل قبر شریف حضرت خواجہ عبید اللہ است حضرت خواجہ شیخ اہل اللہ قرار دادہ کہ فرزند ثالث قیوم الزماں خواجہ محمد صبغۃ اللہ است و می نویسند کہ در آخر عمر از دار الارشاد سرہند شریف بدار الخلافہ دہلی بطریق سیر تشریف بردہ بودند آنجا رحلت نمودہ تابوت ایشان از آنجا بدار الارشاد آوردند و در روضہ منورہ حضرت عروۃ الوثقیٰ متصل قبر مبارک حضرت مروج الشریعۃ دفن کردند رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین واللہ اعلم

اور حضرت قیوم الزماں خواجہ عبید اللہ کے مزار مبارک پر یہ عبارت منقوش ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا المرسلین سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین،

اما بعد مخفی نماند کہ ایں مرقد منور حضرت مروج الشریعۃ عبید اللہ بن حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم است رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ولادتش در ماہ رجب ۱۰۳۸ھ و وفاتش بتاریخ نوزدہم ربیع الاول روز جمعہ وقت اشراق در ۱۰۸۳ھ چنانچہ ازیں تاریخ ظاہر می شود کہ بوقت وفات عمر شریف ایشاں چہل و چہار بود، در کتاب اولیۃ القومیت مذکور است کہ حضرت مروج الشریعۃ عبید اللہ را درون گنبد حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ معصوم در جنب

www.abulhasanalinadwi.org

قبرآں حضرت سمت مشرق مدفون ساختند داولاد آنجناب ہشت تن اند، پنج پسران و سہ دختران، اما پسران یکے عبد الرحیم و دیگرے عبد الرحمٰن، ایں ہر دو در طفولیت فوت شدند و دیگر خدمت شیخ محمد ہادی کہ فرزند بزرگ آں جناب است و دیگر شیخ سالم واما دختران یکے فضل النساء منسوبہ محمد اسمٰعیل و دیگر شائستہ بیگم منسوبہ میر فضل اللہ و دیگر حسن النساء منسوبہ شیخ محمد اسمٰعیل و مخفی نماند کہ قبر حضرت شیخ محمد ہادی درون گنبد روضہ حضرت عروۃ الوثقیٰ مغرب و جنوب است و گنبدے خرد براں بنا شدہ است، وفاتش در رجب روز جمعہ و قبر حضرت محمد پارسا بیرون گنبد حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم بر کنج صفہ پاس۔ بر صفہ سمت مشرق وفاتش ۱۱۷۰ھ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، وقبر شیخ محمد سالم بیرون گنبد حضرت عروۃ الوثقیٰ"

یہ خاص عبارت بہت بے ربط ہے، متولین خانقاہ شریف کی لکھی ہوئی نہیں ہے، کسی زائر نے لکھ دی ہے، انہی بزرگ کی لکھی ہوئی اور بھی عبارتیں تھیں، بعض بعض قبروں پر میں نے اعتنا نہیں کیا، ایک عبارت صرف نقل کی تھی، وہ لکھ دی، اسی گنبد کے جانب گوشۂ غرب و جنوب میں ایک چھوٹا سا گنبد ہے، اس میں دو مزار ہیں، ایک خواجہ غلام معصوم الملقب بہ معصوم ثانی ابن خواجہ محمد اسمٰعیل کا، دوسرا خواجہ محمد اسمٰعیل بن خواجہ محمد صبغۃ اللہ بن حضرت ایشانؒ کا اور بڑے گنبد کے باہر گوشۂ جنوب و غرب میں دوسرا چھوٹا سا گنبد ہے، اس میں بھی کئی مزار ہیں، بیچ میں خواجہ محمد پارسا ابن خواجہ عبید اللہ بن حضرت ایشان کا ہے، اور اس بڑے گنبد سے شمال کے جانب ایک اور گنبد ہے۔ اس میں حضرت خواجہ محمد صدیق بن حضرت ایشان کا مزار ہے، اور تین قبریں اور بھی ہیں، وہ معلوم نہیں کس کی ہیں۔ انہی حضرت سے ہمارے حضرت شاہ محمد صابر علم اللّٰہی قدس سرہ (رائے بریلوی)، نے استفادہ کیا تھا، اور اسی سمت کو باغ سے باہر کچھ فاصلہ پر ایک گنبد ہے۔ اس میں حضرت حجۃ اللہ خواجہ محمد نقش بند ثانی رحمۃ اللہ اور ان کے صاحبزادوں کا مزار ہے۔ ان سب پر فاتحہ پڑھ کر یہ روسیاہ اپنی شامت اعمال کا معترف باغ سے باہر نکلا، اور خانقاہ شریف میں عصر کی نماز پڑھ کر باہر آیا۔

خانقاہ شریف کی پشت پر ایک گنبد اور ہے، اس میں حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ

www.abulhasanalinadwi.org

بن حضرت ایشانؒ کا مزار ہے، ان پر بھی فاتحہ پڑھا، خدا ان بزرگوں کی برکت سے اس روسیاہ کی حالت بدل دے۔ آخری اولیٰ سے بہتر کرے، اور جمعیت ظاہری و باطنی عطا فرمائے۔ زیارات سے فارغ ہوکر اور خلیفہ صاحب سے رخصت ہوکر اسٹیشن آیا، ساڑھے سات بجے گاڑی آئی، اس پر سوار ہوکر انبالہ گیا، اور ایک سرائے میں ٹھہر گیا، یہاں توکّل شاہ صاحب ایک بڑے مشہور و معروف بزرگ سنے جاتے ہیں۔ ان سے انشاء اللہ مل کر کل کیمپ انبالہ جاؤں گا۔

توکّل شاہ صاحب ۲۳؁

روز چہارشنبہ سیوم شعبان۔ حوائج ضروری اور کھانے سے فارغ ہوکر ۱۱ بجے کے قریب شہر گیا، اِدھر اُدھر پھر کر ملک تاج الدین ملتان عرف لکھی شاہ کے مزار پر جاکر فاتحہ پڑھا، اسی کے قریب ایک مسجد ہے، وہاں گیا، ایک نوجوان بیٹھے ہوئے تھے، ان سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں، اتفاق سے وہ کرنال کے رہنے والے توکّل شاہ صاحبؒ کے مرید تھے، اور یہاں استفادہ کرنے کی غرض سے ٹھہرے ہوئے تھے، ان سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب مجددی ہیں۔ اور سلوک بھی مجددیہ طریقہ کے موافق، اُن کے یہاں کا معمول ہے۔ ظہر سے پہلے کسی سے نہیں ملتے۔ ظہر کی نماز کے واسطے جب نکلتے ہیں تو لوگوں سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ مجھ کو پہلے سے بھی اتنا معلوم تھا، اسی وجہ سے میں نے قصداً آنے میں دیر کی تھی۔ جب تک میں وہاں بیٹھا رہا وہ مثنوی کے اشعار پڑھتے رہے۔ مجھ کو بہت لطف حاصل ہوا، ظہر کے وقت وہاں سے اُٹھ کر شاہ صاحب سے ملنے گیا، اس وقت وہ برآمد نہیں ہوئے تھے، کچھ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جو اُن کے یہاں آتے رہتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد برآمد ہوئے، آتے ہی وضو کیا۔ اس کے بعد پھر کر ہماری طرف بیٹھے۔ وظیفہ پڑھتے جاتے تھے، مجھ سے صرف اس قدر دریافت کیا کہ کہاں سے آئے تھے، پھر مشغول ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ اب معاف کرو، یہ کہہ کر اندر چلے گئے۔ بہت ضعیف اور معمولی وضع میں ہیں، ملبس و مسکن وغیرہ میں کچھ تکلّف نہیں ہے، ان کے اوضاع و طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت وارستہ مزاج غالی حوصلہ باہمہ و بے ہمہ صاحب نسبت ہیں جب تک میں بیٹھا رہا میری حالت بہت متغیّر رہی، اُن کے مزاج میں جذب و سلوک بے از خود رفتگی و خود فراموشی بڑھی ہوئی ہے، وہاں کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ تراض زیادہ ہیں گو کہ ادراکِ نسبت کے واسطے چشمِ بصیرت درکار ہے، لیکن اس کو رباطن کے نزدیک نسبت قویہ رکھتے ہیں اور مشائخ کے رسوم ظاہری کے متقید نہیں ہیں، مجھ

www.abulhasanalinadwi.org

کو جو بات اُن کی بہت پسند آئی وہ از خود رفتگی ہے ؎

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بے خبر انند
کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ان کی زبان پنجابی ہے، میں چونکہ اس سے ناآشنا ہوں اس واسطے گفتگو کا لطف حاصل نہیں ہوا، اور وہ خود بھی ایسے مستغرق تھے کہ مجھ کو موقع نہیں ملا، چونکہ میرے سفر کا زمانہ بہت ممتد ہوگیا ہے، اس واسطے افسوس کے ساتھ وہاں سے یکہ کرکے کمپ انبالہ روانہ ہوگیا، سرہند کے راستہ میں شیخ اللہ دیا تاجر سے ملاقات ہوگئی تھی، ان کی دوکان خاص کمپ میں ہے، انھوں نے مجھ سے نہایت فروتنی سے استدعا کی تھی کہ جب کمپ آنے کا اتفاق ہو تو پہلے انہی کے یہاں آؤں، چنانچہ میں پہلے ان کے یہاں آیا، یہاں پہنچ کر مولوی محمد جعفر کو دریافت کیا، انھوں نے اپنا آدمی ساتھ کردیا، مکان پر پہنچ کر جو تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کئی دن ہوئے کھرنولی ریاست پٹیالہ چلے گئے ہیں، مجھ کو نہایت ہی افسوس ہے کہ اس سفر کی صعوبت میں نے انہی کے واسطے اٹھائی اور وہ سوئے اتفاق سے نہ ملے۔ وکان امر اللہ مفعولا۔

دیوبند کو روانگی یہ مغرب کا وقت ہے، آج شب کو یہاں رہوں گا، اور کل علی الصباح انشاء اللہ تعالیٰ سہارنپور روانہ ہوجاؤں گا، مغرب کے بعد میری طبیعت اکھڑ گئی، اور میں نے ارادہ کرلیا کہ شب ہی کو سہارنپور کی طرف چلا جاؤں، بھائی جی کے پہنچنے سے اگر میں دیوبند پہنچ جاؤں گا تو مدرسہ اور کتب خانہ کی سیر کرسکوں گا۔ ورنہ وہ آکر روانگی میں بہت عجلت کریں گے، باوجودیکہ میرے میزبان نے بہت اصرار کیا کہ دو چار دن وہاں رہوں، مگر میں نے معذرت کی اور عجلت کے ساتھ کھانا کھا کر اسٹیشن چلا آیا، ان کے بیٹے اسٹیشن تک مجھ کو پہنچانے آئے، میں اس میزبان کا بہت شکر گذار ہوں کہ باوجود عدم سابقہ معرفت و باوجود نہ مطلع ہونے معزز خاندانی کے یہ ایسی مدارات کی جو آشنایان صورت پرست سے بھی نہیں ہوسکتی، مجھ کو ان لوگوں کے حسنِ ظن پر کمال حیرت ہے کہ ہر ناقابل کو قابل خیال کرلیتے ہیں، وہ اور ان کی اولاد بھی جانتی تھی، ان کے بیٹے اسٹیشن تک ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

آئے، اور میں دس بجے کی گاڑی پر دیوبند کا ٹکٹ لے کر روانہ ہوگیا، ۱۲، کرایہ پڑا۔ راستہ ہی سے پانی شروع ہوا، اس کے آثار انبالہ ہی میں پائے جاتے تھے، ۲ بجے کے قریب دیوبند پہنچا، مزدور اور یکہ کوئی نہ تھا، وہاں سے سرائے تک اس تیرہ و تاریک شب میں مینہ برسنے کی حالت میں جو تکلیف ہوئی وہ ناگفتہ بہ ہے، سرائے میں آکر ٹھہر گیا۔

دیوبند کی سرائے

روز پنجشنبہ چہارم شعبان۔ مینہ کا تار نہیں ٹوٹتا۔ برابر بارش ہو رہی ہے، اور لطف یہ ہے کہ اس سرائے میں بیت الخلا نہیں ہے عام دستور جنگلوں میں جانے کا ہے۔ سخت متحیر ہوں کہ اس بارش میں کیوں کر باہر جا سکتا ہوں، اور جس غرض سے جلدی کر کے آیا وہ کیوں کر حاصل کروں، مگر نا چار سنگ آمد و سخت آمد، کچھ بارش کم ہوئی ہے، موقوف نہیں ہوئی، میں جنگل کی طرف چلا، شہر سے باہر نکلتے ہی مینہ پھر زور سے آگیا، ایک مسجد میں جا بیٹھا، بیٹھے بیٹھے دس بج گئے، اس وقت پھر بارش کم ہوئی۔ کسی نہ کسی طرح حاجت ضروری سے فارغ ہو کر ہزار خرابی سرائے آکر کھانا کھایا۔ اب اس وقت بارش نہیں ہے، لیکن ابر و باد کی مہیب شکل ڈروا رہی ہے، ارادہ ہے کہ اب مدرسہ جاؤں، پھر جو کچھ ہو۔ میں نے جیسے ہی قصد کیا پھر زور شور سے پانی برسنے لگا، میں سخت حیران ہوں کہ الٰہ العالم یہ وقت رائگاں ہوتا جاتا ہے، اور جس واسطے میں جلد آیا وہ بات ہی نہیں حاصل ہوتی، اسی فکر میں بیٹھا تھا کہ دیکھتا ہوں یکہ پر بھیگتے ہوئے بھائی جی چلے آرہے ہیں، اُن کے آنے سے کچھ طبیعت بٹ گئی، فکر و الم کم ہوا، لیکن شام تک اسی قید میں بسر ہوئی، عصر کے وقت کچھ ترشح کم ہوا تو میں نے بھائی جی سے کہا اب آپ تشریف رکھئے میں مدرسہ دیکھ آؤں، چنانچہ وہ بیٹھے رہے اور میں مدرسہ گیا۔

مدرسہ

چونکہ چار بجے کے بعد گیا تھا، مدرسہ بند ہو گیا تھا، طلبہ موجود تھے، بعضوں سے ملاقات ہوئی اور عمارت کو دیکھا، اس میں شک نہیں کہ اس مدرسہ کی عمارت بڑے سلیقے سے بنائی گئی ہے، اس کی صفائی اور ستھرے پن سے مہتمم مدرسہ کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر واپس ہوا، کیونکہ مینہ کا ترشح پھر شروع ہو گیا تھا، راستے نہایت خراب اور ابتر تھے۔

جامع مسجد دیوبند

راستہ میں جامع مسجد کی سیر کی، اس کی بھی عمارت قابل دید ہے، تین درجے کی مسجد ہے، کسی قدر کرسی بھی ہے، صحن بھی ہے، صحن میں ایک حوض ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

جس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا ہے، نہایت عمدہ عمارت ہے، مولوی عبدالخالق صاحب کی سعی اور حاجی عابد صاحب کے اہتمام سے بنی ہے۔ اس کو دیکھ کر نہایت افسوس وحسرت کے ساتھ قیام گاہ واپس آیا، رات بھر مینہ برستا رہا اور مجھ کو اپنے اوقات کے ضائع ہونے کا غم رہا۔

حاجی محمد عابد صاحب

روز جمعہ پنجم شعبان ۱۳۱۲ھ صبح کو کسی قدر کھل گیا، بھائی جی اور میں حوائج ضروری سے فارغ ہو کر مدرسہ آئے، مدرسہ جمعہ کی وجہ سے بند تھا، وہاں سے حاجی محمد عابد صاحب سے ملنے کے لیے چھتہ والی مسجد آئے۔ حاجی صاحب نہایت اخلاق بزرگانہ کے ساتھ ملے۔ اُن سے غرض بیان کی گئی، اس کے نسبت دوسرے دن کا وعدہ کیا، یہ بزرگ صالح اور تکسیر ورقیت میں ماہر ہیں۔ ارباب حوائج اکثر ان کی خدمت میں آیا کرتے ہیں۔ صبح سے دس تک نقوش اور تعویذ تقسیم کرتے ہیں۔ ساکنین دیوبند اُن کے بہت معتقد ہیں۔

نماز جمعہ میں وعظ

ان سے مل کر مولوی محمود حسن صاحب مدرسِ اوّل مدرسہ عربیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتفاق سے مکان پر وہ نہ تھے، وہاں سے قیام گاہ واپس آئے۔ کھانا کھا کر پھر جمعہ کی نماز کے واسطے جامع مسجد آئے، مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی مدرس دوم مدرسہ عربیہ نے نماز پڑھائی اس کے بعد مولوی محمد زکریا صاحب نے وعظ فرمایا، یہ مولوی عبدالخالق صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں، اور مولوی عبدالخالق صاحب مولوی شمس الدین مصنّف "شریعت کا لٹھ" کے خلف الصدق ہیں۔ یہاں میں نے ان کو دریافت کیا، معلوم ہوا کہ وہ آج کل سیر وسفر میں ہیں۔

سیّد صاحب کے ایک مرید

مولوی شمس الدین صاحب ہمارے حضرت سیّدنا (حضرت سیّد احمد شہید بریلوی) کے مرید تھے، ان کے مرید ہونے کا عجیب قصّہ ہے۔ پیشتر یہ نہایت شوقین اور مبتدع تھے انھوں نے حضرت سیّدنا کی ہجو میں کچھ اشعار لکھے تھے، اور اس میں نہایت سخت سست الفاظ لکھے تھے، جب حضرت سیّدنا دیوبند تشریف لائے اور لوگوں کا ہجوم ہوا تو ان کے بھی دل میں آیا کہ جا کر ان کو دیکھیں، اس غرض سے گئے، جب وہاں گئے اور سلام کیا تو سیّد صاحب نے فرمایا، آپ کا کیا نام ہے؟ انھوں نے عرض کیا شمس الدین، حضرت نے فرمایا وہی شمس الدین جنھوں نے ہماری ہجو میں اشعار لکھے ہیں۔ سیّد صاحب نے اس کو تیز آواز میں فرمایا، اور اس ادا سے فرمایا کہ بے خود ہو کر گر پڑے اور لوٹنے لگے، سیّد صاحب بار بار یہی فرماتے جاتے تھے اور

www.abulhasanalinadwi.org

ان کی وہی حالت تھی آخر کو جب انھیں ہوش ہوا تو انھوں نے بہت معذرت کی اور مرید ہوئے، اور ایسے مرید ہوئے کہ سید صاحب کے رنگ میں ڈوب گئے، اور باوجود امتدادِ زمانہ کے ان کی اولاد میں اب تک اُن کا رنگ باقی ہے۔ میں نے آج اُن کے پوتے کا وعظ سنا، اسی پر تو پر ہے جس پر حضرت سیدنا کے عام اصحاب کا مسلک ہے۔

مولانا محمود حسن

وعظ سن کر پھر ہم مولوی محمود حسن صاحب کی خدمت میں گئے ترشیح ہو رہا تھا مولوی صاحب اپنے مکان کے متصل جو مسجد ہے اس میں تشریف رکھتے تھے، تعارف کے بعد اسی مسجد میں جلسہ رہا، عصر تک مدرسہ کے ابتدائی حالات اور اب جو نزاع واقع ہوگئی ہے اس کی کیفیت بیان کرتے رہے۔

مدرسہ دیوبند میں ایک پرانا جھگڑا اور مدرسہ کا اصول

مختصر یہ کہ اس نزاع کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی، جس وقت مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی تھی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بانیِ مدرسہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم نے مدرسہ کے جو اصول اس وقت قائم کئے تھے، اور جن پر اب تک عملدرآمد ہے، ان میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ ارباب مشورہ میں ہمیشہ صلحاء اور علماء منتخب کیے جایا کریں، اربابِ وجاہت کو اس میں ہرگز دخل نہ دیا جائے اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ ان کو ہمیشہ اپنی بات کی پچ پڑ جاتی ہے، اور اختلاف رائے پر بیش از بیش اصرار ہوتا ہے، اگر مدرسہ کی بدخواہی ہی کیوں نہ متصور ہو،

دیوبند میں اکثر اربابِ وجاہت موجود تھے، جن کو اربابِ مشورہ میں منتخب نہیں کیا، باوجودیکہ وہ کبیر السن بھی تھے، ان کو اس بات پر بہت ملال ہوا، لیکن وہ تجربہ کار اور پختہ کار تھے، اس واسطے انھوں نے صریحاً مخالفت کی جرأت نہیں کی، جب ان لوگوں کا انتقال ہوگیا اور ان لوگوں نے اپنے بعد ناتجربہ کار وارث چھوڑے تو ان لوگوں نے اپنی خام خیالی سے کھلم کھلا مخالفت کرنی شروع کردی، لیکن خدا کی قدرت سے اب تک کوئی ایسا موقع نہیں ملا جس سے اُن کی مطلب برآری ہوتی۔

منشی فضل حق مہتمم مدرسہ کی معزولی

اب سوءِ اتفاق سے ایک موقع بھی ان کو مل گیا، وہ یہ ہے

www.abulhasanalinadwi.org

کہ حاجی محمد عابد صاحب سابق مہتمم مدرسہ کے سفرِ حج کے بعد منشی محمد فضل حق صاحب مہتمم مدرسہ کیے گئے ان سے دوچار ناز یبا حرکتیں ایسی صادر ہوئیں کہ چارنا چار ان کی اطلاع اربابِ مشورہ کو دینی پڑی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب سرپرست مدرسہ نے حکم دیا کہ یہ موقوف کردیے جائیں اُن سے اربابِ مشورہ نے عرض کیا کہ ان کے موقوف ہونے سے کوتہ اندیشوں کو دراز دستی کا موقع ملے گا، کیونکہ اکثر مخالفین ان کے عزیز ہیں اور خود ان کو بھی اپنی موقوفی کا رنج ہوگا، مولانا نے پھر یہی مکرر ارشاد فرمایا کہ یہ موقوف کردیے جائیں، گو تمام عالم مخالف ہوجائے، جب تک مدرسہ کا تعلق ہم لوگوں سے ہے اس کے ہم ذمہ دار ہیں، کسی بیجا کارروائی کو چھپا نہیں سکتے، پھر مکرر عرض کیا گیا کہ جو نزاع برپا ہوگی اس سے مدرسہ کو مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہے کیا عجب کہ مدرسہ ٹوٹ جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ مدرسہ خدا کی رضامندی کے واسطے کیا گیا ہے، اور جو کچھ ہم کررہے ہیں اُسی کے واسطے ہے، اگر اسی کام کو ہم گنہ گار ہوکر انجام دیں تو کون سے ثواب کی بات ہے، جب تک اس کی رضامندی کے موافق کام ہوسکے اس وقت تک کریں گے ورنہ چھوڑ دیں گے جب باوجود اصرار کے مولانا اس پر مصر رہے تو سب چپ ہوگئے، لیکن اس بارے میں سب متزلزل الرائے تھے، مولانا نے فرمایا کہ تم سے نہیں ہوسکتا تو ان کو ہمارے پاس بھیجدو، ہم سمجھادیں گے، لوگوں نے بھی اس کو مناسب سمجھا اور خود منشی فضل حق صاحب نے بھی جب اس قسم کے تذکرے سنے تو لوگوں سے رائے پوچھی، سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ حضرت مولوی رشید احمد صاحب سے مل لیجیے، جیسا اُن کے خیال میں ہو اس پر عمل کرنا بہتر ہے، وہ بھی مولانا کے بہت معتقد تھے، گنگوہ چلے گئے، مولانا نے اُن سے فرمایا کہ تمھاری نسبت عموماً لوگوں کے ایسے خیالات ہیں، بہتر ہے کہ تم استعفا دیدو، کیوں کہ اس میں مدرسہ کی خیر خواہی ہے۔ انھوں نے ملازمت کی وجہ سے کچھ پس وپیش کیا، لیکن مولانا نے فرمایا کہ نوکری کا کچھ پس وپیش نہ کرو، تمھاری نوکری ہوجائے گی۔ اس کے بعد مولانا نے بہت نصیحت کی کہ بعد استعفا دینے کے تم اور کچھ خیال نہ کرنا جیسے اب تک ہواخواہ رہے، ویسے ہی ہمیشہ خیر خواہ رہنا۔ اس میں تمھارے واسطے بہتری ہے، وہ یہ سب کچھ سُن کر وہاں سے آئے اور طوعاً وکرہاً انھوں نے استعفا پیش کیا۔ اور وہ استعفا منظور بھی ہوگیا۔

مخالفین کی کوششیں

اس کے بعد ان مخالفین کوتہ اندیشوں نے ان کو برانگیختہ کرنا شروع کیا، آخر الامر ان لوگوں نے اس کو مبنی علیہ فساد کا قرار دے کر جو باتیں

نہ کرنی تھیں وہ بھی شروع کر دیں، خط پر خط مولانا کی خدمت میں نہایت سخت و سست الفاظ کے لکھ لکھ کر روانہ کیے، اور بہت کچھ ڈرایا دھمکایا، لیکن مولانا نے ان سب خطوں کا صرف یہ جواب دیا کہ تم ہم سے انتزاع کرنے کے مجاز نہیں ہو، ہم چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں اگر ان کو ہم سے کچھ پوچھنا ہو تو ہم اس کے جواب دہ ہیں، تمہارا جی چاہے تو ان لوگوں سے کہو وہ ہم سے جو پوچھیں گے ہم اس کا جواب باصواب دیں گے، جب انھوں نے یہ تدبیر کارگر نہ دیکھی تو ایک اشتہار چھپوایا جس میں نہایت صاف ارباب مشورہ کے نسبت سخت الفاظ لکھے تھے، اور مولانا سلمہم اللہ تعالیٰ کو منہ پھوڑ کر گالیاں دی تھیں، جس کے دیکھنے اور سننے کے ارادت مند متحمل نہیں ہو سکتے، اور جو کچھ بددیانتی اور بے ضابطگی ان کے زعم باطل میں تھیں وہ سب لکھ دیں، اور ایک تاریخ مقرر کی جس میں چندہ دینے والے آکر مدرسہ کا جائزہ لیں، اور اپنے مدرسہ کی حقیقۃ الحال کو سمجھیں۔ اس کی پانسو کاپیاں چھپوا کر تمام چندہ دینے والوں کے پاس بھیج دیں، جس سے تمام متعلقین مدرسہ کو نہایت اضطراب پیدا ہوا، اس کی بھی اطلاع مکرر حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں کی گئی، مولانا نے فرمایا کہ ان کی خاک اڑانے سے کچھ نہیں ہونے کا اول تو وہ لوگ آئیں گے نہیں، اگر آئیں تو بسم اللہ چشم ما روشن دل ما شاد اپنے مدرسہ کا حساب و کتاب سمجھیں، جب تک تمہارا تعلق ہے اس وقت تک تم اپنے فرض منصبی کو نہایت اطمینان سے پورا کرتے رہو، اس میں غفلت نہ ہونے پائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کوئی آیا نہیں، وہ لوگ کئی روز تک برابر اسٹیشن استقبال کو جایا کیے اور جو آئے بھی وہ سیدھے مدرسہ میں آئے، دو چار دن رہ کر دیکھ بھال کر چلے گئے۔

مولانا گنگوہی پر الزام بغاوت

جب اس سے بھی وہ عاجز ہوئے تو انھوں نے گورنمنٹ کی خدمت میں استدعا کی کہ یہ مدرسہ نہایت خراب اصول پر چل رہا ہے، ان لوگوں کے خیالات بغاوت آمیز ہیں، اسی واسطے مدرسہ میں ولایتی کثرت سے رکھے گئے ہیں، اور ایک زمانہ میں مولوی رشید احمد نے تھانہ بھون کی بغاوت میں شرکت کی تھی یہ ہمیشہ کے (۱۸۵۷ء) کے باغی ہیں۔ ان کی مسل نکالی جاوے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اس مدرسہ کو گورنمنٹ اپنے ہاتھوں میں لے، اور اگر یہ منظور نہ ہو تو حاجی محمد عابد صاحب اس کے سرپرست مقرر کیے جائیں جن کو جشن جوبلی میں شمس العلماء کا خطاب دیا گیا ہے، اس اشتہار کے چھپنے پر ہوا خواہان حضرت مولانا سلمہم اللہ تعالیٰ کو نہایت تشویش پیدا ہوئی، لیکن مولانا نے سب کو

www.abulhasanalinadwi.org

کمال استقلال کے ساتھ تسلی دی، کہ اب ہمارا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا ہے، اگر منظورِ الٰہی یہی ہے تو بہتر ہے۔ ہم کیوں مرتے مرتے اس ذمہ داری کے کام کا مواخذہ لے جائیں، اور اصل تو یہ ہے کہ ان کے کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ جب خدا نے اس وقت ہم کو محفوظ رکھا تو اب بھی محفوظ رکھے گا، اسی طور پر وہ لوگ خاک اڑا رہے ہیں۔ اب بھی ایک شخص دہلی دوسرے مضمون کا اشتہار چھپوانے گیا ہے، اور خدا کی عنایت یہ ہے کہ کسی مسلمان نے ایسے از سرتا پا حیلہ انگیز اشتہار کا چھاپنا پسند نہیں کیا، ایک ہندو منیجر مطبع نے چھاپا ہے۔ اسی ہفتہ میں کلکٹر ضلع مدرسہ کے معائنہ کو آیا، اور اس نے مدرسہ کے ہر ہر مکان کو ملاحظہ کیا، طالب علموں سے اُن کی سکونت دریافت کی، سبھوں نے اپنے اپنے مکان بیان کیے۔ چلتے وقت معائنہ کی کتاب میں مدرسہ کی نہایت تعریف لکھی، جس کی اُمید نہ تھی، بہرحال بفضل خدا مدرسہ کی ترقی روز افزوں ہے۔ اور ان لوگوں کی حالت بھی ترقی پذیر ہے۔

ابھی تک ادھر سے کوئی جواب ترکی بترکی نہیں دیا گیا، میری رائے میں اگر اس پمفلٹ پر لائبل کیس کر دیا جائے تو ان کی حقیقت کھل جائے، مگر چونکہ یہ لوگ نہایت متحمل اور بردبار ہیں، اب تک کسی نے خیال نہیں کیا، یہ سب باتیں ہوتی رہیں، اور مینہ لگاتار برستا رہا، وہیں عصر کی نماز پڑھی، نماز کے بعد بارش کا سلسلہ موقوف ہوا تو ہم نے اجازت چاہی، لیکن مولوی محمود حسن صاحب نے نہایت اصرار سے اس بات پر زور دیا کہ اُن کے مکان پر ہم آئیں، اور نہایت تعجب کے ساتھ شکایت کی کہ آپ کا سرائے میں ٹھہرنا محل تعجب ہے، مگر چونکہ اسباب ہمارے ساتھ ہے اور کالے خاں نے کھانے وغیرہ کا وہاں انتظام کر لیا ہے۔ اس وقت بھی تیار ہو رہا ہے، اس وجہ سے وہاں اُٹھ جانے کی رائے نہ ہوئی مولوی صاحب کا اصرار بڑھ گیا اور ہماری معذرت آخر کو رائے اس پر قرار پائی کہ کل دن کو کھانا مولوی صاحب کے یہاں کھائیں، اسی قرارداد پر ہم رخصت ہوئے۔ رات سرائے میں رہے، مینہ برستا رہا۔

مدرسہ

روز شنبہ ششم شعبان۔ صبح کو کھل گیا۔ ہم اطمینان سے حوائج ضروری سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ گئے۔ امتحان ہو رہا تھا۔ پرچے تقسیم کر دیے گئے تھے، اور طلبہ جوابات لکھ رہے تھے، طلبہ الگ الگ بٹھائے گئے تھے، چار دن سے امتحان ہو رہا تھا، اور کم سے کم دس بارہ دن تک ہوگا۔ تقریباً تین سو طلبہ مدرسہ میں ہیں۔ اکثر مدرسہ کے مکانوں

www.abulhasanalinadwi.org

میں رہتے ہیں، اور بعض مسجدوں میں، ان میں دو سو سے زیادہ باہر کے ہیں، اور ڈیڑھ سو ان میں وہ ہیں جن کے خورد نوش کا مدرسہ متکفل ہے، کپڑے اور جوتہ اور فرش و روشنی وغیرہ کا سامان بھی مدرسہ سے دیا جاتا ہے، جاڑے میں جڑاول بھی ملتی ہے، بہر حال تمام ضروریات کا متکفل مدرسہ ہے، اور پچاس وہ ہیں جو اپنے پاس سے کھاتے ہیں۔

مدرسین اس مدرسہ میں سات مدرس عربی کے ہیں، جن کو تنخواہ ملتی ہے، اور ایک مدرس بلا تنخواہ بطور اعانت کے پڑھاتے ہیں۔ مدرسین عربی میں سے مدرس اوّل مولانا محمود الحسن صاحب ہیں، یہ بزرگ مولوی ذوالفقار علی صاحب ادیب مشہور کے صاحبزادے ہیں اور مولانا قاسم صاحب مرحوم کے عمدہ شاگردوں میں ہیں ان کی استعداد ہر فن میں خصوصاً دینیات میں اعلیٰ درجہ کی ہے سب طالب العلم ان کی تعریف کرتے ہیں، دوسرے مولوی خلیل احمد صاحب ہیں، جو مدرس دوم ہیں، یہ مولانا مملوک العلی صاحب کے نواسے اور مولانا محمد یعقوب صاحب کے بھانجے ہیں۔ یہ بھی فاضل مستعد ہیں تیسرے مولوی غلام رسول ہیں، یہ ولائتی ہیں، عقلیات میں ان کی استعداد بہت اچھی ہے، اور اکثر فلسفہ بھی پڑھاتے ہیں۔ چوتھے مولوی حافظ احمد صاحب مولانا محمد قاسم صاحب کے صاحبزادے ہیں، پانچویں مولوی عزیز الرحمٰن صاحب ہیں، یہ مفتی مدرسہ ہیں۔ کارافتاء انہی کے متعلق ہے۔ اسی طور پر اور مدرس ہیں۔ دو مدرس فارسی کے ہیں اور دو قرآن مجید کے، ایک مہتمم مدرسہ ہے، آج کل مولوی محمد منیر صاحب ہیں، یہ مولانا مظہر صاحب مرحوم و مولوی محمد احسن صاحب نانوتوی کے چھوٹے بھائی ہیں، دفتر انہی کے متعلق ہے، دفتر میں دو محرر ہیں، ایک جلد ساز ایک دربان، ایک خاکروب، ایک حجام، ملازمین کی تنخواہ کی میزان کل دس ہزار دو سو چونسٹھ روپیہ ہے۔

ارباب شوریٰ ارباب شوریٰ آٹھ اشخاص ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب سرپرست مدرسہ، جناب حاجی محمد عابد صاحب، جناب مولوی ذوالفقار علی صاحب، جناب مولوی محمد احسن صاحب نانوتوی، جناب حکیم ضیاء الدین احمد صاحب رام پوری، حاجی شیخ ظہور الدین صاحب دیوبندی، حاجی منشی فضل حق صاحب، جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی۔

کتب خانہ انتظام مدرسہ کا نہایت معقول ہے، دفتر بہت صاف ہے۔ کتب خانہ نہایت

www.abulhasanalinadwi.org

آراستہ ہے، کتب خانہ میں تقریباً چھ ہزار جلدیں ہیں، اکثر مطبوع کتابیں اور اکثر کتابوں کے نسخے بہت زائد ہیں۔ مثلاً بخاری شریف کے نسخے ۳۰ سے زائد ہیں کہ وقت ضرورت کے منگانے کی حاجت نہیں پڑتی

امتحان

افسوس ہے کہ میں ایسے وقت میں پہنچا کہ امتحان ہو رہا تھا۔ تدریس کا لطف حاصل نہیں کر سکا۔ لیکن حال امتحان کے پرچوں کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ طالب العلم اچھے مستعد ہیں، مدرسہ کو دیکھ کر میں دیر تک کتب خانہ میں بیٹھا رہا، وہیں امتحان کے پرچے جانچے جاتے تھے، مولوی محمود حسن صاحب و مولوی خلیل احمد صاحب جانچ رہے تھے، وہاں سے اُٹھ کر حاجی محمد عابد صاحب کے پاس آیا، تھوڑی دیر بیٹھا رہا، اسی اثناء میں مولوی صاحب کا آدمی بلانے آیا، وہیں سے میں اور بھائی جی اُٹھ کر مولوی محمود حسن کے مکان پر آئے۔

مولانا محمود حسن صاحب کے یہاں دعوت

مولانا ذوالفقار علی صاحب اور اکثر بزرگان دیوبند بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب نے نہایت فراخدلی سے ہم لوگوں کا خیر مقدم کیا، اور مل کر صدر مقام میں باوجود ہم لوگوں کی معذرت کے بٹھایا، اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت میں نے سنا کہ رائے بریلی سے کوئی صاحب آئے ہیں تو میں سمجھ گیا تھا کہ صاحبزادے ہوں گے کیونکہ علم سے ان لوگوں کو ہمیشہ سے مناسبت ہے، پھر انھوں نے ایسی باتیں شروع کیں جس کو سن سن کر شرم و ندامت سے ہمارے سر جھکے جاتے تھے، اور جتنے وہاں بیٹھے تھے، انھوں نے ایسا اظہار عقیدت کیا کہ ہم کو ان بزرگوں کے حسن ظن پر حیرت ہے، ہم لوگوں کی مخدومیت اور اپنی خادمیت کا اظہار ہر ہر بات پر فرماتے تھے۔ سب سے زیادہ شکایت اس بات کی تھی کہ آپ سرائے میں کیوں ٹھہرے۔ کیا آپ ہم کو اپنا خادم نہیں سمجھتے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ سرائے میں رہیں، مولوی محمود حسن صاحب نے کہا کہ کل میں نے بہت اصرار کیا لیکن انھوں نے مانا نہیں، مولانا ذوالفقار علی صاحب نے کہا کہ آپ نے ان کے انکار کو تسلیم ہی کیوں کیا۔ آخر کو آدمی سرائے بھیجا گیا، اور اسباب اُٹھوا منگایا۔

حافظ احمد صاحب کا اصرار

اس عرصہ میں کھانا آیا، نہایت اہتمام کے ساتھ کھانا پکوایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد مولوی ذوالفقار علی صاحب نے اپنے ہاتھ سے، اور مولوی محمود حسن صاحب نے بستر بچھا کر کہا کہ آپ قیلولہ فرمائیں، ارادہ اسی وقت روانگی کا تھا، مگر حافظ احمد صاحب خلف الرشید مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے

www.abulhasanalinadwi.org

نہایت اصرار کے ساتھ شب کی دعوت کے نسبت فرمایا، ان کی التجا عالیسی تواضع وانکسار کے ساتھ تھی کہ مجبوراً فسخ عزیمت کرنی پڑی۔

اکابر دیوبند کی تواضع

ان سب بزرگوں نے نہایت افسوس کے ساتھ ذکر کیا کہ آپ دو دن سے آئے ہوئے ہیں، بارش کی وجہ سے ہم لوگوں کو اطلاع نہیں ہوئی، ورنہ ہم سرائے میں حاضر ہوتے، اور آپ نے باوجود اس بات کے جاننے کے کہ دیوبند میں سب ہمارے خادم ہیں، یہاں فروکش ہونے سے گریز کیا، وہ یہ باتیں کر رہے تھے اور ہم شرم وغیرت کے مارے عرق عرق ہوئے جاتے تھے اے اللہ ان بزرگوں کا یہ حسن ظن اور ہماری یہ حالت، ان کی یہ حسن عقیدت اور ہماری یہ شامت اعمال، ان میں وہ مسکنت اور غربت، ہم میں یہ خود داری اور نخوت، ان میں وہ سادگی اور بے تکلفی، ہم میں یہ تکلف اور سینہ مستی این الثریٰ من الثریا نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا

اکابر کے پرکیف حالات

اس کے تھوڑی دیر بعد قیلولہ کر کے اٹھے اور نماز کے بعد مولوی فضل الرحمٰن صاحب ملنے آئے، عصر تک وہ بیٹھے، حافظ احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب بیٹھے رہے۔ بزرگان سلف یعنی خاندان عزیزیہ (شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی و احمدیہ (سید احمد بریلوی) کے تذکرے ہوتے رہے، یہ بزرگ حضرت سیدنا کے قصص اس شیفتگی سے بیان کرتے تھے، جیسے عاشق اپنے معشوق کے حالات بیان کرتے وقت مزے لیتا ہے۔

مولانا قاسم صاحب کا مزار

عصر کے بعد حضرت مولانا قاسم صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے، شہر کے باہر کسی بگیہ میں ان کا مزار میدان میں کچا بنا ہوا ہے، اثنائے راہ میں قاضی کی مسجد کی زیارت کی جس میں حضرت سید صاحب فروکش ہوئے تھے۔

خاندان ولی اللہی کے واقعات مولانا ذوالفقار علی صاحب کی زبانی

وہاں سے آکر مغرب کی نماز پڑھ کر مولوی ذوالفقار علی صاحب کے پاس بیٹھے رہے ان سے علم ادب کا چرچا رہا، کچھ اپنے اشعار کچھ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب و شاہ عبدالعزیز صاحب کے اشعار پڑھتے رہے، ان سے معلوم ہوا کہ مولوی مملوک العلی صاحب مولانا رشید الدین خاں صاحب کے شاگرد

www.abulhasanalinadwi.org

تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ شیخ احمد شروانی[۲۵] نے شاہ صاحب سے ملنے کے پیشتر حدیقۃ الافراح تصنیف کی تھی، اس میں جہاں شاہ صاحب کا لامیہ نقل کیا ہے، دو اعتراض سرقہ کے کیے ہیں۔ میں نے اس کی شکایت مفتی صدرالدین خاں صاحب سے کی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ شروانی بیچارہ شاہ صاحب کی قدر کیا جانے، مجھ سے مولانا رشید الدین خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ جب شاہ صاحب معذور ہو گئے اور امراض سخت میں گرفتار ہو گئے، تو مراق کی وجہ سے اکثر مدرسہ میں ٹہلا کرتے تھے، اسی درمیان میں بعض بعض لوگ سبق بھی پڑھا کرتے تھے، چنانچہ میں مقامات حریری پڑھتا تھا، آگے آگے شاہ صاحب اور پیچھے پیچھے میں مقامات لیے ہوئے پڑھتا جاتا تھا۔ مقامات کی عبارت دو فقری ہے، میں ایک فقرہ پڑھتا تھا، دوسرا شاہ صاحب معاً پڑھ دیتے تھے۔ یا تو یہ فقرہ وہی ہوتا تھا جو کتاب کا ہے، یا انہی کا ہوتا تھا جو کتاب کے فقرہ سے زیادہ چست اور اچھا ہوتا تھا، یہ اس وقت کا ذکر ہے جب شاہ صاحب کو چودہ مرض مہلک عارض ہو گئے تھے، کہ اگر ان میں سے ایک مرض بھی نعوذ باللہ دوسرے کو لاحق ہو تو سلب حواس کے واسطے کافی ہے۔ مفتی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قصیدہ سننے سے ان کو یاد ہو جاتا تھا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ سفر کلکتہ میں شاہ صاحب نے قاموس کا ایک نسخہ دیکھا تھا، مدتوں کے بعد نابینا ہو جانے پر وہ دہلی فروخت کے واسطے دست بدست شاہ صاحب کے مدرسہ پہنچا، شاہ صاحب نے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ وہ نسخہ ہے جس کو میں نے دیکھا ہے، پھر فرمایا کہ دیکھو فلاں حاشیہ پر یہ عبارت تو نہیں لکھی ہے۔ دیکھا گیا تو وہی تھی، آخر کو معلوم ہوا کہ یہ وہی نسخہ ہے۔ مفتی صاحب کی یہ حالت تھی کہ جب شاہ صاحب کا ذکر آ جاتا تو یہ اس میں ایسے محو ہو جاتے کہ ان کے سب کاروبار چھوٹ جاتے تھے، مولانا محمد اسماعیل صاحب کی نسبت فرماتے تھے کہ وہ شاہ عبدالقادر صاحب سے پڑھتے تھے۔ ایک بار مولانا محمد اسماعیل صاحب افق المبین پڑھ رہے تھے[۲۶] اور اس طور پر کہ دو دو چار چار ورق پڑھتے تھے کہیں خود پوچھ لیتے تھے، کہیں شاہ صاحب بتا دیتے تھے، ورنہ یوں ہی پڑھتے جاتے تھے، اس زمانہ میں مولوی فضل امام صاحب خیرآبادی صدر امین ہو کر دہلی آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ایک دن وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور سبق ہو رہا تھا، وہ اس حیرت انگیز سبق کو دیکھ دیکھ متعجب ہو رہے تھے، اتفاقاً مولانا فضل حق شاہ صاحب اثنائے سبق میں کسی ضرورت سے اٹھے تو انھوں نے کہا صاحبزادے

www.abulhasanalinadwi.org

کیوں مصنف کی روح کو تکلیف دیتے ہو، وہ بپاس ادب چپ ہو رہے۔ لیکن شاہ صاحب آگئے اور انھوں نے سن لیا، فرمایا مولوی صاحب اس لڑکے سے آپ کچھ پوچھیے تو اس کا حال آپ کو معلوم ہو۔ پہلے تو مولوی فضل امام صاحب نے گریز کیا، لیکن آخر کو انھوں نے ایک مسئلہ افق المبین کا پوچھا، مولانا محمد اسماعیل صاحب نے اس کا نہایت شائستگی کے ساتھ جواب دیا، پھر انھوں نے اس کو رد کیا، پھر انھوں نے جواب دیا، اس رد و قدح کی یہاں تک نوبت پہنچی، کہ مولوی صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی پیچیدہ تقریر کا غور کر کے جواب دینے لگے، اس وقت خاموش ہوئے۔

ایک ولائتی طالب العلم صرف خیالی (تصنیف) پڑھنے کی غرض سے ہندوستان آیا، یہاں آکر اس نے پوچھا کہ کون سب سے زیادہ ذہین و ذکی ہے، معلوم ہوا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ہیں، اُن کے پاس آیا اور استدعا کی، انھوں نے بیشتر فرصت نہ ہونے کا حیلہ کیا، آخر الامر جب اس نے زیادہ مجبور کیا تو فرمایا کہ اچھا فرصت کے وقت، اُس نے بغل سے نکال کر ایک کتاب دی، اُنھوں نے پوچھا یہ کیا ہے، اس نے کہا خیالی کا عبدالحکیم ہے۔ آپ نے کہا یہ کیوں یہاں چھوڑے جاتے ہو۔ اس نے کہا کہ بے عبدالحکیم کے خیالی حل نہیں ہوتی، اس پر مولانا نے فرمایا کہ عبدالحکیم بیچارہ کیا ہے، جو میرے خیال میں باتیں آتی ہیں وہ عبدالحکیم کے خیالوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اس نے کتاب تو اُٹھالی، لیکن بہت ہی بد دل ہوا کہ جب اُن کی یہ کیفیت ہے کہ عبدالحکیم کو کچھ نہیں سمجھتے تو خیالی خاک سمجھتے ہوں گے لیکن چونکہ صرف خیالی ہی کی غرض سے اُس نے اتنی مسافت طے کی تھی، ٹھہر گیا اور وقت مقررہ پر آیا، سبق جب شروع ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ واقعی اُن کی نازک خیالیوں کے سامنے عبدالحکیم کوئی چیز نہیں ہے۔

خیر کثیر شاہ ولی اللہ صاحب کی بہت مشکل کتاب ہے، وہ مولانا محمد اسماعیل صاحب ایک زمانہ میں پڑھاتے تھے اور مطالعہ کر کے، ایک مرتبہ مطالعہ کر رہے تھے کوئی مقام سمجھ میں نہیں آیا۔ دل میں کہا کہ چلو چھوٹے چچا سے اس کو حل کرلیں، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی خدمت میں گئے، اور اُن سے پوچھا تو انھوں نے اس کی بہت طویل تقریر کی، لیکن ان کا اشتباہ رفع نہیں ہوا، اس کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ صاحب ٹہل

www.abulhasanalinadwi.org

رہے تھے، پوچھا کون ہے، انھوں نے فرمایا اسمٰعیل پوچھا کیسے آئے، انھوں نے عرض کیا کہ میں خیر کثیر پڑھایا کرتا ہوں، ایک مقام پر شبہ ہے، چھوٹے چچا سے پوچھا مگر تسکین نہیں ہوئی، آپ سے تسکین کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا، کہ یہ فلاں مقام ہوگا اور میاں رفیع الدین نے یہ تقریر اس کی کی ہوگی، انھوں نے کہا جی ہاں، فرمایا اس کا یہ مطلب ہے، دو چار جملے ایسے فرمائے جس سے خیر کثیر کا بھی مطلب حل ہوگیا اور شاہ رفیع الدین صاحب کی تقریر کا ماحصل معلوم ہوگیا۔

بیشتر حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب وعظ فرمایا کرتے تھے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اُن کے وعظ میں چپ چاپ بیٹھے رہا کرتے تھے، گویا یہ کچھ جانتے ہی نہ تھے، اتفاق سے مولوی عبدالحیؒ صاحب بڑھانہ تشریف لے گئے۔ لوگوں نے اصرار کے ساتھ ان کو منبر پر بٹھلا دیا، انھوں نے جو وعظ شروع کیا تو لوگوں کو یہ تمنا ہوگئی کہ مولوی عبدالحیؒ صاحب خدا کرے دو چار ہفتہ نہ آئیں۔

ایک مرتبہ مولانا اسمٰعیل صاحب وعظ کہنے بیٹھے ہی تھے، یہ اس زمانہ میں جب کہ سید صاحب کی کفش برداری کر چکے تھے، ایک کمبخت آیا، اور اس نے مولوی صاحب کو گالیاں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اُس نے کہا کہ تم ولد الحرام اور ولد الزنا ہو، مولوی صاحب نے فرمایا، اور آہستگی سے فرمایا، میاں تم سے جس نے یہ کہا غلط کہا، میری ماں کے نکاح کے اب تک گواہ موجود ہیں، یہ کہہ کر وعظ شروع کر دیا، ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب کہیں جا رہے تھے، اور ان کے ساتھ حکیم رستم علی بھی تھے، گو یہ بڑے شوقین داڑھی مونچھ چڑھی ہوئی رکھتے ہیں لیکن باوجود اس کے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ ان کو شغف تھا، پیچھے پیچھے یہ بھی تھے، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے کچھ دور جا کر پیچھے دیکھا تو یہ نہ تھے، لوگوں سے فرمایا دیکھو رستم علی کہاں ہیں، کہیں کسی سے لڑنے پڑے ہوں، لوگوں نے دیکھا تو واقعی ایک آدمی سے لڑ رہے تھے، سمجھا بجھا کر اُن کو لائے، مولوی صاحب نے پوچھا تم کہاں رہ گئے تھے، کہنے لگے حضرت مجھ سے سنا جاتا ہے، ایک مردک آپ کو گالیاں دیتا تھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا بھائی اس کا قصور نہیں ہے، یہ ہمارے علماء کا قصور ہے۔ کیوں انھوں نے پہلے ہی سے واشگاف بیان نہیں کیا، جس کے سننے سے اب ان کو وحشت ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ مولوی فضل حق (خیرآبادی) صاحب کے سامنے کسی نے مولانا محمد اسماعیل صاحب

www.abulhasanalinadwi.org

کو برا کہا تو مولوی صاحب نے اس کو بہت زجر و تنبیہہ کی، اور کہا کہ ہماری ان کی مخالفت ایسی نہیں ہے کہ تم ایسے بازاری ان کو گالیاں دیں۔ مولوی ذوالفقار علی صاحب فرماتے تھے کہ مولوی فضل امام صاحب و مولوی فضل حق صاحب باوجود عصبیت کے ناانصاف نہیں تھے۔

سیّد صاحب کے واقعات

جب حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی تو دیوبند کے بوڑھے بوڑھے لوگ استقبال کو نکلے، شہر کے باہر ایک بزرگ کا مزار ہے، وہاں تک پہنچے کہ سیّد صاحب نظر آئے۔ ایک ٹانگن پر سوار تھے، اور دونوں طرف دو شخص رکاب تھامے ہوئے چلے آتے تھے، ان لوگوں نے آگے بڑھ کر ملاقات کی، اس وقت ان دونوں بزرگوں کی ظاہری وضع و ہیئت سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کون ہیں۔ سیّد صاحب نے فرمایا کہ ان سے ملو۔ یہ مولانا اسمٰعیل اور مولانا عبدالحیٔ ہیں۔

سیّد صاحب جب نانوتہ تشریف لے گئے تو پہلے سے میاں وجیہ الدین یعنی مولوی محمد قاسم صاحب کے خسر نے دعوت کا سامان کیا تھا، انھوں نے یہ خیال کیا تھا کہ سیّد صاحب کے ساتھ بیس پچیس آدمی ہوں گے، انہی کے واسطے سامان کیا تھا، جب سیّد صاحب تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ جلال آباد کے پٹھانوں کا ایک گروہ تھا، میاں وجیہ الدین یہ دیکھ دنگ ہو گئے انھوں نے خیال کیا کہ سامان تھوڑے آدمیوں کا کیا ہے اور ان کے ساتھ ایک انبوہ ہے، کیوں کر کافی ہوگا، خصوصاً اس وجہ سے اور ان کو پریشانی ہوئی کہ نانوتہ ایسا گاؤں ہے جہاں دفعۃً زیادہ سامان کا فراہم ہونا بہت دشوار ہے۔ آخر شدہ شدہ یہ خبر سیّد صاحب کو پہنچی، سیّد صاحب نے ان کو بلا کر فرمایا کہ آپ گھبرائیے نہیں، اپنی چادر دے دی کہ اس کو کھانے پر ڈھانک دو، اور اس کے نیچے سے سامان نکال کر صرف کرو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور وہ کھانا سب کو کافی ہو گیا۔

مولانا ذوالفقار علی صاحب فرماتے تھے کہ سیّد صاحب اس نواح کے اکثر قصبات میں تشریف لے گئے ہیں لیکن جہاں جہاں تشریف لے گئے ہیں وہاں اب تک خیر و برکت ہے، اور دو ایک گاؤں اور قصبے ایسے ہیں جہاں نہیں گئے وہاں اب تک وہی نحوست اور شامت باقی ہے۔ چنانچہ منگلور میں نہیں گئے وہاں کے لوگوں میں وہی جہالت اور قساوت ہے، اور ایک مختصر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کے

www.abulhasanalinadwi.org

دو چار گھر ہیں، اتفاقاً سید صاحب کسی ضرورت سے وہاں بھی گئے ہیں، وہاں بھی خیر و برکت پائی جاتی ہے، گویا ایک نور مسطیل ہے کہ جدھر گئے اُدھر وہ پھیل گیا ہے۔

اسی قسم کے قصے مولانا نے فرمائے، جو اس روسیاہ کو یاد نہیں رہے، اتنے ہی میں مولوی احمد صاحب[۳۱] لالٹین لے کر آ گئے، اور کہا کہ کھانا تیار ہے۔ غریب خانہ تک چلیے۔ وہاں جا کر کھانا کھایا۔ کھانے میں بڑا تکلف اور اہتمام کیا تھا۔ کھانے کے بعد پھر سید صاحب کا تذکرہ شروع ہوا۔ مولوی محمود الحسن (حضرت شیخ الہند) صاحب و مولوی حبیب الرحمٰن صاحب (سابق مہتمم دوم دار العلوم دیوبند) وغیرہ بھی شریک تھے، یہ لوگ ایسی شیفتگی سے بیان کر رہے تھے جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، ان بزرگوں نے بالاتفاق بیان کیا کہ مولانا قاسم صاحب کو سید صاحب کے ساتھ ایسی عقیدت تھی کہ ان کے ادنیٰ ادنیٰ ہمراہیوں کے ساتھ وہ باادب پیش آتے تھے، اگر سید صاحب کے متعلقین میں سے کوئی شخص ملتا تھا تو اس سے ایسا ملتے تھے جیسا کوئی عقیدت مند مرید اپنے پیر و مرشد سے، یا خادم اپنے آقا سے۔

ایک شخص حاجی شفاعت خاں سید صاحب کے قافلہ کے رام پور سے باہر عزت نشین ہو چکے تھے، وہ کسی سے نہیں ملتے تھے، جب مولانا محمد قاسم صاحب کا تذکرہ مشہور ہوا تو انھوں نے ان کے نام ایک خط لکھا کہ میں نہایت ضعیف ہوں کہیں آ جا نہیں سکتا، لیکن آپ کے دیکھنے کو دل ایسا چاہتا ہے کہ بے اختیار جی میں آتا ہے ڈولی میں بیٹھ کر چلا آؤں، مگر چونکہ آپ سفر میں بھی رہتے ہیں، اس لیے اس خط کے ذریعہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کہاں ہیں، ٹھیک مقام سے اطلاع دیجیے، مولانا محمد قاسم صاحب کو جب یہ خط پہنچا تو ان کو بہت تشویش ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ من آنم کہ من دانم، معلوم نہیں کہ اس بزرگ سے میرا حال کس نے کس طور پر بیان کر دیا ہے، جس سے وہ میرے ملنے کے مشتاق ہوئے ہیں۔ ان کو لکھ دیا کہ میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ آپ مجھ سے ملیں، لیکن اگر آپ کا دل چاہتا ہے تو میں خود حاضر ہوں گا۔ جب مولانا صاحب شاہجہانپور تشریف لے گئے تو بعد فراغت کے وہاں سے رام پور بھی گئے اور حاجی شفاعت خاں کے یہاں پہنچے وہ گھر میں تھے، اطلاع ہوئی فوراً نکل آئے۔ مل کر بہت خوش ہوئے۔ آنکھوں سے معذور تھے، پوچھا کوئی ہے تو نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا دو آدمی ہیں، مولوی احمد حسن[۳۲] صاحب امروہوی اور ایک اور شخص تھے، ان سے کہا تم باہر چلے جاؤ، جب وہ باہر نکلے تو کواڑ بند کر لیے: دو گھنٹہ

www.abulhasanalinadwi.org

اندر رہے، معلوم نہیں کیا معاملات ہوتے رہے، مولوی احمد حسن صاحب نقل کرتے تھے کہ ہم نے کواڑوں میں بہت کان لگائے مگر کچھ معلوم نہیں ہوا۔

سب نے بالاتفاق بیان کیا کہ سید صاحب کے اکثر دیکھنے والے بیان کرتے تھے کہ مولوی قاسم صاحب خِلقاً و خُلقاً مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے بہت مشابہ ہوئے ہیں۔ سید صاحب کے دیکھنے والوں نے انقراضِ صحبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سنا، البتہ اگر کبھی اتفاق ہوا تو مولوی صاحب مرحوم کا وعظ سنا کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ان کا وعظ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے وعظ سے بہت ملتا ہے، اس کے بعد کچھ حضرت سید صاحب کے غیبوبۃ و ظہور کا ذکر ہوا، ان سب لوگوں نے اس بے بضاعت سے پوچھا، میں نے کہا کہ اس میں تو شک نہیں کہ سید صاحب نے اس قسم کی پیشین گوئیاں فرمائی تھیں، لیکن وقوع میں اب تک اشتباہ ہے۔ مولوی محمود حسن صاحب نے فرمایا، یہی ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا مسلک ہے۔ پھر انھوں نے نہایت معتبر ذریعہ سے یہ قصہ سنایا اور سب حاضرین نے اس پر اتفاق کیا:

حدثنا الشیخ الصالح محمود حسن والحافظ احمد بن مولانا محمد قاسم والمولوی حبیب الرحمٰن وکلھم ثقۃ قالوا حدثنا شیخنا الثقۃ الصدوق الحجۃ مولانا رشید احمد الگنگوھی حدثنا الشیخ الزاھد المتقی الاورع الحجۃ مولانا مظفر حسین الکاندھلوی قال سمعت من شیخنا و مولانا السید احمد عشرۃ امورٍ وقعت منھا تسعۃ وبقیت واحدۃ وھو غیبوبتہ وظھورہٗ رحمہ اللہ تعالیٰ واللہ اعلم۔

یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی زبانی سنا، وہ فرماتے تھے کہ ہم نے مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ہم نے سید صاحب کی زبان سے دس پیشین گوئیاں سنیں، نو ان میں سے واقع ہو چکی ہیں اور ایک باقی ہے، وہ پیشین گوئی آپ کی غیبوبتہ اور ظہور کے بارے میں ہے۔ یہ بھی مولوی مظفر حسین صاحب فرماتے تھے کہ قبل اس واقعہ کے سید صاحب مبہم باتیں کیا کرتے تھے، اس قسم کی کہ بندہ کو مولیٰ کی رضامندی کا خیال رکھنا چاہیے۔ جیسا حکم ہو ویسا کرے، اگر کمل اوڑھنے کا حکم ہو تو کمل اوڑھ لے، اور اگر اور کچھ حکم ہو تو وہ کرے۔ میں نے کہا، حضرت صاف صاف بیان کیجیے، جو کچھ بیان کرنا مقصود ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن سیّد صاحب نے اس سے گریز کرکے پھر تھوڑی دیر میں وہی کہنا شروع کیا۔

مولوی ذوالفقار علی صاحب یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ان اطراف میں دیکھنے والوں نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ شب کے وقت سیّد صاحب چارپائی پر استراحت فرماتے تھے، اور ایک جانب مولانا عبدالحیٔ صاحب، دوسرے جانب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بیٹھ کر صبح کر دیتے تھے، رات میں جس وقت سیّد صاحب کی آنکھ کھلتی تھی فرماتے تھے، مولانا! وہ کہتے تھے، حضرت! آپ کہتے تھے، فرمائیے، اُن کو جو پوچھنا ہوتا تھا، وہ پوچھتے تھے، سیّد صاحب مختصر الفاظ میں جواب دیتے، پھر سو رہتے، اور یہ دونوں بزرگ اس جواب کے مزے لیا کرتے تھے، اور اس کے وجد و محویت میں رہتے، پھر جب آنکھ کھلتی پھر کچھ پوچھتے، یہ بھی کہتے تھے کہ دیوبند میں ایک مرتبہ کسی وجہ سے صبح کی نماز میں تکبیر اولیٰ سیّد صاحب سے فوت ہوگئی تھی، اس دن مولانا عبدالحیٔ صاحب نے اسی کا وعظ فرمایا تھا، یہ بھی فرماتے تھے، اور اکثر علمائے دیوبند نے بالاتفاق بیان کیا کہ یہ مدرسہ مولانا صاحب کی پیشین گوئی کے موافق بنا ہے، جب وہ یہاں تشریف لائے تھے تو فرمایا تھا کہ مجھ کو اس قصبہ سے علم کی شعاعیں یا انوار نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ جب یہ مدرسہ اوّل اوّل کھلا ہے قاضی کی مسجد کے پاس کھولا گیا ہے، جہاں سیّد صاحب رونق افروز ہوئے تھے، پھر اس کے بعد دوسری جگہ منتقل ہوا، اور اب جہاں ہے، اس کی نسبت حضرت مجدّد صاحب نے پیشین گوئی کی تھی، ایک مرتبہ اس جگہ ان کا گذر ہوا تھا، فرمایا مجھ کو یہاں علم کے انوار نظر آتے ہیں، دیر تک وہاں اس قسم کی باتیں رہیں، اس کے بعد قیام گاہ پر آئے، عشا کی نماز پڑھ کر سب رخصت ہوئے اور ہم سو رہے۔

روز یک شنبہ ہفتم شعبان صبح کو اُٹھ کر چلنے کا سامان کیا، مولوی محمود حسن صاحب چونکہ ہفتہ کے دن دوسرے وقت ہمارے پاس بیٹھے رہے، امتحان میں نہیں گئے۔ اس وجہ سے آج وہ جلد رخصت ہو کر مدرسہ چلے گئے، اور مولانا ذوالفقار علی صاحب سے بھی رخصت ہوئے۔ مولوی حافظ احمد صاحب و مولوی حبیب الرحمٰن صاحب وغیرہ مشایعت کی غرض سے ہمراہ ہوئے، ہم نے بہت معذرت کی، لیکن انھوں نے نہ مانا، چنگی کی چوکی تک آئے۔ اور چلتے چلتے وعدہ کرایا کہ پھر دیوبند واپسی کے وقت آنا، کیونکہ بارش کی وجہ سے، نیز امتحان کی جہت سے لوگوں کو ملنے کی مہلت نہیں ملی، اور بات چیت کرنے کا لطف حاصل نہیں ہوا۔ اس قدر مبالغہ

www.abulhasanalinadwi.org

اور اصرار کے ساتھ انھوں نے استدعا کی کہ ہم نے منظور کیا، انشاء اللہ تعالیٰ کے لفظ کے ساتھ اگر موقع ملا تو گنگوہ سے واپسی کے وقت ایک دن کے لیے دیوبند اتر پڑوں گا۔ بھائی جی نے چھ روپیہ سالانہ چندہ مقرر کیا، اور اس بے بضاعت نے بسبب کم مائگی ایک روپیہ اور ایک روپیہ برادر صاحب مخدوم مکرم مولانا سید ابوالقاسم صاحب کی طرف سے، ہر چند کہ ان کی جانب سے زیادہ چندہ دینے کی گنجائش تھی، مگر بے اجازت ان کے میں نے زیادہ چندہ کہنے کی جرأت نہیں کی۔ وہاں سے روانہ ہو کر اسٹیشن آئے اور رڑکی کا ٹکٹ لے کر روانہ ہو گئے، ۱۱ رفی کس محصول پڑا۔ ۸ بجے سہارن پور پہنچے۔ گاڑی کے آنے میں دیر تھی کھانا کھایا اور بیٹھے رہے دو بجے وہاں نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ چار بجے رڑکی پہنچے۔

رڑکی

رڑکی اسٹیشن سے بہت دور ہے، مگر نہایت آباد اور پر رونق شہر ہے، چھاؤنی اور گودام اور کالج یہاں کے مشہور مقام ہیں۔ رڑکی مدرسہ حرب ہے۔ سفر مینا کی دو پلٹنیں اور چار توپ خانے یہاں رہتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرے کی بدلی ہوتی رہتی ہے۔ جب وہ کام سیکھ لیتے ہیں تو دوسرے آتے ہیں، حافظ نور اللہ صاحب ایک کارخانہ دار ہیں۔ ان سے دہلی میں بھائی جی سے ملاقات ہوئی تھی۔ جب انھوں نے ان کے آنے کی خبر سنی تو فوراً سرائے میں آئے اور بمبالغہ اور اصرار اسباب اٹھوا لے گئے، اور بہت دھوم دھام کے ساتھ دعوت کا سامان کیا، رات بھر وہیں آسائش کے ساتھ رہے۔

رڑکی کالج

روز دوشنبہ ہشتم شعبان۔ صبح کو اٹھ کر حوائج ضروری سے فارغ ہو کر کھانا کھایا، کھانا کھانے کے بعد کالج دیکھنے کو گئے۔ عجیب و غریب عمارت ہے، اور اس سے قطع نظر اس کے طرز تعلیم میں عملی تربیت مشروط ہے، اس کے متعدد درجے ہیں، اور دونوں طرف کمروں میں باقی کالج مسٹر طامسن کی تصویر سنگی یادگار کے طور پر نصب ہے، بڑے کلاس اس میں دو ہیں، ایک اپر کلاس، دوسرا لور کلاس، اور ہر ایک میں دو دو درجے ہیں۔ اپر کلاس میں پہلا درجہ انجینیری کا ہے، اور دوسرا اوورسیری کا، امیدوار کے لیے امتحان داخلہ مقرر ہے، کسی مدرسہ یا کالج کا سارٹیفکٹ یہاں بکار آمد نہیں ہے۔ امتحان داخلہ بہت سخت ہے۔ اس میں کامیاب ہونے کے بعد امیدوار کالج میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ تعداد معین سے زیادہ امیدوار نہ ہوں، ورنہ بعد کامیابی امتحان کے بھی داخل نہیں ہو سکتا، پھر سال آئندہ میں امتحان کی ضرورت ہے وہ امتحان بکار آمد نہیں ہوتا۔ داخل ہونے کے دو برس کے بعد اگر کسی کلاس میں کامیاب ہو گیا تو اس کو

www.abulhasanalinadwi.org

ملتی ہے۔ ورنہ وہ مدرسہ سے نکال دیا جاتا ہے، پھر وہ امتحان نہیں دے سکتا، اٹھارہ سے بائیس سال تک کی عمر مقرر ہے، اور دس سے پچاس روپیہ تک اسکالرشپ ملتی ہے۔ مدرسہ کے گرد طلبہ کے رہنے کے لیے بورڈنگ ہاؤس اور افسروں کے لیے کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ماسٹر اکثر ہندوستانی اور انگریز ہیں۔ کئی ماسٹر مسلمان ہیں، طلبہ اکثر مسلمان ہیں۔ ہندو اور انگریز بھی ہیں، پنجابی زیادہ ہیں۔ مدرسہ کے متعلق پریس کا بھی کارخانہ ہے۔ اس میں نقشے اور مدرسہ کے زیادہ تر کاغذات چھپتے ہیں۔ ٹائپ کے پریس بہت اچھے ہیں، ہر رنگ کے کاغذات چھپتے ہیں۔ پتھر کے پریس بھی ہیں لیکن کوئی کاتب خوش نویس نہیں ہے۔ اس کو ہم نے اچھے طور پر دیکھا، اس کے بعد کمروں میں گئے، جن میں حروف جوڑے جاتے ہیں، یا دستی نقش کشی و تصویر کشی ہوتی ہے، بڑے بڑے دستکار لوگ ہیں، اس میں ان کو بڑی مہارت ہے، کالج کے ہر ہر کمرے میں جاکر اچھے طور پر اس کو دیکھا، ہندوستان کی نامور عمارتوں کے نقشے دیواروں پر آویزاں تھے، ان کی خوب سیر کی، اس کے بعد حافظ نور اللہ صاحب کارخانہ دار کے مکان پر آئے۔

پیران کلیر ظہر کی نماز پڑھ کر پیران کلیر دیکھنے کو روانہ ہوئے، یہاں سے پیران کلیر تین میل ہے، نہر گنگ جو ہردوار سے نکلی ہے اور کان پور میں آکر گری ہے، وہ اسی شہر میں ہو کر گئی ہے، اور پیران کلیر بھی اس کے کنارے ہے۔ پیران کلیر کے قریب تک نہر کے دونوں جانب زینے اور دیوار نہایت عمدہ بنی ہے زینہ زینہ میں پیادہ پا روانہ ہوا، نہر کے کنارے کنارے جاتے میں عجیب لطف تھا، جس کو زبان و قلم ادا نہیں کر سکتے، رڑکی سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک عجیب دلچسپ جگہ ہے، وہ یہ کہ نہر شمال سے جنوب کو آئی ہے، اور چونکہ اس کا منبع یہاں سے بہت قریب ہے، اس واسطے اس کی جگہ بہت عریض ہے، اس کا عرض گومتی سے زیادہ ہی ہے، کم نہیں ہے، اور ایک دریا مغرب سے مشرق کو بہتا ہوا اس جگہ متقاطع ہوا ہے اس کی صورت یہ نکالی ہے کہ دریا کا پل بہت بڑا جو پندرہ کوٹھیوں کا ہے، باندھا ہے۔ اس کے اوپر نہر کا عبور ہوا ہے، اس پل پر بیچ میں نہر جاری ہے، اور اس کے دونوں جانب سڑکیں ہیں، جن پر گاڑی اچھے طور پر عبور کر سکتی ہے۔ اب آپ اس پل کے عرض و طول کی وسعت کو خیال کر سکتے ہیں، اور یہ بھی قیاس کر سکتے ہیں کہ پل کس قدر مستحکم بنایا گیا ہے، جس پر گومتی سا بڑا دریا زور شور سے بہتا ہے، اور اس کے دور رویہ آمد و رفت ہوتی ہے، اللہ اللہ خدا نے انسان ضعیف البنیان کو کیا قدرت عطا فرمائی ہے بقول

www.abulhasanalinadwi.org

احمدی ؎

اولعزمانِ دانش مند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں، کوہ سے دریا بہاتے ہیں

اس کی خوب سیر کرکے آگے بڑھا، راستہ میں کئی پُل ملے، ان پر سے عبور کرتا ہوا پیران کلیر کے قریب پہنچا، داہنے جانب نہر کے پیران کلیر کی بستی ہے، اس میں ایک بہت بڑی درگاہ ہے، اور اس کے محاذی دوسرے جانب غیر آباد جگہ میں دوسری درگاہ ہے۔ یہ درگاہ اس درگاہ سے عمارت کی حیثیت سے بہت خوش منظر ہے، اس درگاہ میں جاکر فقیر فاتحہ وایصال ثواب سے مشرف ہوا اس کے بعد وہاں سے واپس آیا، عشا کے قریب گھر پہنچا۔

فقیر نے فی زعمہ یہ سمجھا تھا کہ جہاں اس نے فاتحہ پڑھا ہے وہ درگاہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ درگاہ حضرت صابر علی کی ہے، اور حضرت علاء الدین کی درگاہ بستی میں ہے، جہاں یہ فقیر بسبب ماندگی کے حاضر نہیں ہوسکا، اور حضرت صابر علی، حضرت علاء الدین کے بھانجے ہیں، مجھ کو اس بات کے سننے سے بہت افسوس ہے، گو کہ اس بات پر پورا اطمینان نہیں ہوا، لیکن زیادہ تر اس بات پر افسوس ہوا کہ میں دونوں جگہ کیوں حاضر نہیں ہوا، اب اس کی تلافی یوں ہی ہوسکتی ہے کہ دوبارہ حاضر ہوں۔ اور لطف یہ ہے کہ چونکہ فی زعمی میں اس درگاہ کو حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سمجھا تھا، اس واسطے وقت ایصال ثواب اور جمعیت قلب کے انہی کا نام لیا تھا، اور انہی کی طرف توجہ تھی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال شب کو میں بآسائش تمام کارخانہ دار صاحب کے یہاں رہا۔

سہارن پور

روز سہ شنبہ نہم شعبان۔ صبح کو ارادہ روانگی کا تھا، مگر بھائی جی جس غرض سے یہاں تک آئے، وہ اب تک حاصل نہیں ہوئی تھی، اس واسطے فسخ عزیمت کی گئی اور دوسرے وقت پانچ بجے وہاں سے سہارن پور روانہ ہوئے، بعد مغرب کے سہارن پور پہنچے وہاں سے سیدھے نلہ چوک میں ملا عنایت اللہ خاں صاحب کے مکان پر گئے۔ یہ بزرگ مولانا محمد قاسم صاحب کے مرید اور حضرات تکیہ[۲۵] کے بہت معتقد ہیں، خاص سہارن پور کے رہنے والے ہیں، اور مدت تک رائے بریلی میں تھانہ دار رہ چکے ہیں۔ ہمیشہ بالتزام جمعہ کی نماز تکیہ میں پڑھتے تھے۔ بہت

www.abulhasanalinadwi.org

بڑے صالح اور نیک بخت ہیں کبھی رشوت نہیں لی، اور کسی قسم کی اپنے دانست میں بد دیانتی نہیں کی، رات بھر یہیں رہنے کا قصد ہے، صبح کو ارادہ ہے کہ اگر سواری کا انتظام ہو گیا تو بشرط خیریت انشاء اللہ تعالیٰ گنگوہ روانہ ہوں گے۔ اور بعد واپسی یہاں کے مدارس دیکھیں گے۔

روز چہار شنبہ دہم شعبان

آج ارادہ روانگی کا تھا، مگر افسوس ہے کہ دس بج گئے ہیں، اور اب تک گاڑی نہیں ملی، اسی وجہ سے ارادہ آج کا فسخ کیا گیا، ۱۱ بجے کھانا کھایا، اس کے بعد جامع مسجد کی سیر کو چلے، اور یہ بھی قصد تھا کہ حافظ قمر الدین صاحب جو پیش امام ہیں، ان سے ملیے۔ ان کی بڑی تعریف مولوی عبد العلی صاحب نے دہلی میں فرمائی تھی، جامع مسجد گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس بے بضاعت سے ملنے گئے ہیں، ان کے انتظار میں وہاں ٹھہر گیا تھا، یہاں تک کہ ظہر کے وقت وہ آ گئے۔ نماز کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ بڑے خلق و مروت سے پیش آئے، اسی اثناء میں مولوی احمد علی صاحب تشریف لائے، اور اس خبر کے سننے سے کہ یہ روسیاہ حضرت سیدنا کے خاندان کا بدنام کنندہ ہے، نہایت خلوص و ارادت سے ملے، اور بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ حضرت سید صاحب کے خلفاء میں ایک بزرگ گجھرہ ضلع مظفر نگر میں اب تک بقید حیات ہیں، اور ان کے مریدوں میں بھی ایک شخص سہارن پور میں موجود ہیں۔ وہاں سے اٹھ کر خاکسار مدرسہ مظاہر العلوم کی سیر کو گیا۔ امتحان کی وجہ سے مدرسہ آج کل بند ہے، مکان اور کتب خانہ سرسری نگاہ سے دیکھ کر وہاں سے قیام گاہ پر واپس آیا۔

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سہارنپوری

عصر کی نماز پڑھ کر مولوی حبیب الرحمٰن صاحب خلف مولانا احمد علی صاحب مرحوم سے ملنے کو اُن کے مکان پر گیا، مردانہ مکان میں تھے، میں وہاں جو گیا تو وہ خود کمرے سے برآمد ہو کر باہر ہی بیٹھے۔ کمرہ میں چقیں پڑی ہوئی تھیں، کچھ لوگ اندر تھے، وہ بھی پیشتر اندر بیٹھے تھے۔ مجھ کو حیرت ہوئی کہ یہ باہر کیوں بیٹھے، لیکن یہ حیرت جلد تر زائل ہو گئی جب یہ معلوم ہوا کہ اندر لوگ شطرنج کھیل رہے تھے اس کے بعد مولوی صاحب نے پان کی تواضع کی، اور مجھ سے کل کے قیام کی نسبت کہا، لیکن میں نے معذرت کی کہ مجھ کو گنگوہ بہت جلد جانا ہے، اس کے بعد مولوی صاحب نے دفع دخل کے طور پر کہا کہ یہ میرا مکان نہیں ہے، میرے چھوٹے بھائی کا ہے۔ میرا مکان دوسرا ہے، اسی وقت میں مدرسہ

www.abulhasanalinadwi.org

سے آیا ہوں، ابھی ابھی یہاں آگیا، میں نے پوچھا کہ آج کل آپ کیا کیا پڑھاتے ہیں، فرمایا کہ چار برس سے اہلِ شہر کے اصرار سے میں نے مظاہر العلوم میں تعلق کرلیا ہے، اب آج کل صحاح ستہ و توضیح تلویح و ہدایہ و بیضاوی وغیرہ پڑھاتا ہوں۔ مولوی صاحب صورت شکل کے بہت وجیہہ، قد و قامت میں درست، مہذب متین، خوش پوشاک اور شوقین ہیں، پانچ چھ روپے کا ایک پنجابی جوتہ پہنے ہوئے، کھڑی ہاتھ میں باندھے ہوئے، پان رکھنے کی تین تین ڈبیاں جیب میں، ایک جرمن سلور کی، جس میں پان۔ دوسری ربڑ کی، جس میں چھالیہ، تیسری بلور کی یا کسی اور پتھر کی، جس میں بنارس کی بسی ہوئی تمباکو کی گولیاں رکھی ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر میں اُٹھ آیا۔

مولانا محمد حسین

قیام گاہ پر آیا ہی تھا کہ مولوی نظام الدین ملنے آئے۔ یہی صاحب بگھرہ کے مولانا کے مرید ہیں، ان سے مفصل حال معلوم ہوا، انھوں نے بیان کیا کہ ان کا نام حضرت مولانا محمد حسین ہے۔ ایک سو گیارہ برس کی ان کی عمر ہے، بدن مرتعش ہوگیا ہے، نگینہ اور بجنور اور نجیب آباد میں اُن کا بہت رشد ہے، سید صاحب کے خلفاء میں ہیں، اور حضرت سیدنا کے ظہور کے منتظر ہیں۔ اکثر اپنے مریدوں کے یہاں چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کل بھی شاید اسی طرف گئے ہوئے ہیں، میں نے کہا کہ ایک خط لکھ کر دریافت کر دیجیے جواب دیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ گنگوہ سے واپس آنے پر مل جائیے گا، انھوں نے کہا کہ آج ہی میں لکھ دوں گا، یہ عشاء تک میرے پاس بیٹھے رہے۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سید صاحب ابونجی کی مسجد میں مقیم ہوئے تھے، جب سہارن پور تشریف لائے تھے۔ چونکہ رات کا وقت ہے، اس وجہ سے میں اس مسجد کی زیارت کو نہیں جاسکا بعد واپسی کے ارادہ ہے۔ گاڑی ہوگئی ہے، تین روپیہ کرایہ اور ایک روپیہ خوراک جملہ چار روپیہ آمد و رفت کے لیے کل علی الصباح روانگی کا ارادہ ہے، انشاء اللہ تعالیٰ بشرط عدم موانع۔

سید صاحب کے چند اور مرید

مولوی نظام الدین نے بیان کیا کہ حضرت امیر المومنین کے مریدوں میں سہارن پور کے رہنے والے حکیم مغیث الدین صاحب تھے۔ ان کا انتقال ہوگیا، ان کے صاحبزادے حکیم مشتاق احمد صاحب ہیں ان کو آپ کے آنے کی اطلاع نہیں ہے، ورنہ حاضر ہوتے، فرمایئے تو اطلاع کر دوں، میں نے کہا کہ میں علی الصباح روانہ ہونے کو ہوں، اور یہ شب کا وقت ہے، ان کو آنے میں تکلیف ہوگی۔ بعد واپسی کے انشاء اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

تعالیٰ میں ان سے خود ملوں گا، ایک حضرت سیدنا کے مریدوں میں اور سنے گئے، جست بیچا کرتے ہیں۔ میرا ارادہ خود ان کے پاس جانے کا تھا، مگر حافظ قمرالدین صاحب خود ان کو بلا لائے۔ یہ بھی بہت معمر ہیں۔ صغر سنی میں حضرت امیر المومنین کی انھوں نے زیارت کی ہے، دیر تک بیٹھے رہے۔

انبہٹہ

روز پنجشنبہ یازدہم شعبان۔ علی الصباح گاڑی آگئی، اور ہم لوگ حوائج ضروری سے فارغ ہوکر روانہ ہوئے۔ قنا سہارن پور تک ملا عنایت اللہ خاں صاحب تھانہ دار پنشنر اور مولوی نظام الدین صاحب بطریق مشایعت کے ساتھ آئے، پھر ہم نے ان کو بہ اصرار واپس کیا، تقریباً ایک بجے ہم انبہٹہ پہنچے، اتر کر جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد حضرت شاہ ابوالعالیؒ کے درگاہ پر حاضر ہوکر فاتحہ پڑھا، پھر سوار ہوئے۔ عصر کے وقت گنگوہ پہنچے۔

گنگوہ

شہر کے باہر ایک محلہ ہے سرائے پیرزادگان، اس میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا دولت خانہ ہے۔ شہر مثل اور قصبوں کے نہایت پُر رونق اور آباد ہے بلکہ اس طرف جس قدر قصبے دیکھے گئے نہایت ہی آباد ہیں۔ اودھ کے اکثر شہروں سے زیادہ ان میں رونق ہے، اور اکثر قصبوں میں میونسپلٹی کا انتظام ہے۔ پانی پت، اور دیوبند اور گنگوہ اس بارے میں خاص کر ذکر کے قابل ہیں، بہر حال ہم سرائے پیرزادگان میں آئے، پہلے خانقاہ کے باہر ایک نشست کے مکان میں جو نہایت آراستہ تھا، مولانا کے صاحبزادے حکیم مسعود احمد صاحب ملے، ترکی ٹوپی اور قمیض پہنے ہوئے بیٹھے تھے، میں سمجھا کہ کوئی جنٹلمین ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ خانقاہ تشریف لے چلیے، مولانا وہیں ہیں، ہم خانقاہ آئے، حضرت مولوی صاحب استنجا کر رہے تھے، فرمایا کہ کمرے میں چلو، ہم گئے، تھوڑی ہی دیر کے بعد نکل کر مسجد آئے، نماز پڑھی، پھر کمرہ میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھائی جی مسجد ہی میں رہے۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

مجھ سے پوچھا، کہاں سے آئے ہو، میں نے کہا رائے بریلی سے پوچھا کیوں آئے ہو۔ میں نے کہا حضور کی زیارت کے واسطے، کہنے لگے، مطلب کہو بے مطلب کوئی کسی کی زیارت کرتا ہے، میں نے کہا مطلب کچھ بھی نہیں، یہی مطلب ہے کہ ہم زیارت کو آئے ہیں، کہا دوسرے کون ہیں، میں نے کہا

www.abulhasanalinadwi.org

میرے بھائی ہیں، کہا بڑے بھائی ہیں، میں نے کہا پھوپھی زاد بھائی ہیں، میں نے کہا مولوی ابوالقاسم صاحب (بنسوی) نے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔ کہا مولوی صاحب اچھے ہیں، میں نے کہا، جی ہاں، پوچھا کہ وہ رائے بریلی گئے ہیں، میں نے کہا ارادہ تو تھا مگر میرے سامنے تک نہیں گئے تھے، کہا وہ تمہارے کون ہیں، میں نے کہا بھائی، کہا سگے بھائی ہیں، میں نے کہا، ماموں زاد، کہا سگے ماموں زاد ہیں، میں نے کہا جی ہاں، کہا اُن کی کیا عمر ہے، میں نے پینتیس چھتیس برس کی بتائی، ابھی نوعمر ہیں، اس کے بعد میں نے کہا شیخ عبدالخالق صاحب نے آپ کو سلام کہا ہے کہا شیخ صاحب اچھے ہیں، میں نے کہا جی ہاں، میں نے کہا کہ مولوی عبدالحکیم صاحب و مولوی رحمت علی صاحب وغیرہ نے بھی سلام عرض کیا ہے، کہا سب اچھے ہیں؟ میں نے کہا سب اچھے ہیں، اس کے بعد میں نے کہا کہ میں مسلسل بالاولیہ سننا چاہتا ہوں، کہنے لگے کہ اس کی سند خود مجھ کو نہیں ہے، شاہ صاحب کے یہاں جاکر سبق میں شریک ہوگیا تھا، نہ مسلسل بالاولیہ کی سند ہے، نہ مسلسل بالمرو مسلسل بالمصافحہ کی، تبرک کے واسطے لوگ سند لے لیتے ہیں، ورنہ یہ گڑیوں کا کھلونا ہے۔ مجھ کو کبھی ان کا خیال تک نہیں ہوا۔ اصل مقصود کی طرف توجہ رہی۔ اصل مقصود یہ ہے کہ اشکال حدیث کا حل کیا جائے، تعارض دفع کیا جائے، مسئلہ ثابت کیا جائے، تفقہ حاصل ہو۔ اسی کی طرف میرا خیال رہا حنفی، شافعی جو ہوں اپنا مسئلہ ثابت کریں، مولوی عبدالقیوم صاحب کی زیارت ہوئی، سوان سے بھی میں نے نہیں عرض کیا، ایک اُستاد نے میرے کسی کو اجازت دی تھی، مجھ کو بھی بلایا، میں نے اُن سے عذر کر دیا کہ مجھ کو اس سے کیا حاصل، جو بکار آمد چیز ہے، وہ حاصل ہونی چاہیئے، اگر تم کہو تو جیسی کچھ ناقص ہے سنا دوں، میں نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کے بعد کہا تم نے کس کس سے پڑھا ہے، میں نے سب حال بیان کیا، اس کے بعد کہا اب آرام کرو، تھکے ماندہ ہو، میں اُٹھ کر باہر آیا۔

مولوی صاحب بہت ضعیف و نحیف ہیں، عمر کی حیثیت سے یہ ضعف نہیں ملتا کیونکہ عمر غالباً ساٹھ سے کچھ ہی متجاوز ہوگی۔ بڑھاپے کے آثار نمودار نہیں ہیں بلکہ بیماری کا ضعف ہے۔ چہرے سے نحافت معلوم ہوتی ہے۔ قد بالا، اور گورے چٹے آدمی ہیں، داڑھی بھری ہوئی لانبی، کھچڑی بال، مزاج میں کسی قدر تند معلوم ہوتے ہیں، یا شاید بیماری کی وجہ سے ہوگئے ہوں، وقار و ہیبت غالب ہے۔ سکوت و وقار کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں، کسی کو زیادہ مجال

www.abulhasanalinadwi.org

گفتگو کی نہیں ہے۔ سب چپ چاپ ہر وقت سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔ بیماری کی وجہ سے مسجد نہیں آ سکتے تھے۔ مرض نے پھر اعادہ کیا تھا کل سے مسجد تشریف لے جاتے ہیں نماز پنج وقتہ خود ہی پڑھاتے ہیں۔ قرارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تجوید و قرأت میں دخل رکھتے ہیں، بہت صاف اور سیدھی آواز میں پانی پت کے لہجہ میں پڑھتے ہیں، مغرب و عشا کی نماز حسب معمول خود پڑھائی۔ جس وقت وہ تشریف لاتے ہیں اسی وقت تکبیر ہوتی ہے۔ لوگ پہلے سے منتظر رہتے ہیں۔ مولوی صاحب کے لباس و مکان میں بہت تجمل ہے، سب چیزیں آراستہ قرینہ سے رکھی ہوئی ہیں۔ دو دو دیوار گھڑی، قالین کی جانماز، اس پر اونی چوتہی چوپرت بچھی ہوئی، چھوٹے چھوٹے تکیے رکھے ہوئے، ایک عمدہ پلنگڑی اس پر گدہ، گدہ پر سفید چاندنی دلائی نہایت عمدہ الماری میں قرینے سے کتابیں چنی ہوئی چٹائی کا کمرہ میں فرش، نہایت صاف شفاف۔ بہرحال نہایت تجمل کے ساتھ، مگر سادگی کے انداز میں رہتے ہیں۔ اسی کمرے کے سامنے جو حجرہ ہے اس میں رہنے کا حکم ہوا۔

بروز جمعہ دوازدہم شعبان صبح کو اٹھ کر حوائج ضروری سے فارغ ہو کر خاکسار مولوی صاحب کی خدمت میں گیا، مولوی صاحب اندر کے کمرے میں پلنگڑی پر لیٹے ہوئے تھے، ایک صاحب اور بیٹھے تھے، کچھ لوگ باہر کے کمرے میں ادب سے سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں بھی باہر ہی بیٹھنے لگا، آواز دے کر کہا اندر آجاؤ، میں اور بھائی جی اندر گئے۔ فرمایا معاف کرنا، معذور ہوں، میں نے کہا آپ آرام سے لیٹے رہیے، یہ کہہ کر فرش پر میں بیٹھ گیا۔ مجھ سے فرمایا کہ کل مسلسل کے نسبت آپ نے کہا تھا، خیر جیسی ہے، ناقص ہے یا کامل سنائے دیتا ہوں۔ الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔

اس کی سند یہ ہے کہ میں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے سنا، میں جب شاہ صاحب کی خدمت میں گیا تو پہلے سے وہ ان کے یہاں پڑھتے تھے، مجھ کو یاد نہیں کہ پہلے بھی ان سے حدیث کا تذکرہ مجھ سے ہوا یا نہیں، انھوں نے شاہ عبدالغنی صاحب سے سنا، اور شاہ صاحب نے مولانا محمد اسحٰق صاحب اور مولانا محمد اسحٰق صاحب نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے شاہ ولی اللہ سے، اور ان کی سند سب کہیں مشہور ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے بعد مجھ سے کچھ بھوپال کا حال پوچھتے رہے، پھر فرمایا کہ بھوپال سے کب آئے ہیں، میں نے کہا چار پانچ مہینے ہوئے۔ فرمایا کچھ درس تدریس ہوتی ہے، میں نے کہا، اب تک اتفاق نہیں ہوا لیکن اب ارادہ ہے، فرمایا کہ رائے بریلی میں طلبہ ہیں؟ میں نے کہا نہیں، وہ چھوٹا شہر ہے، لکھنؤ میں ہیں۔ لکھنؤ بیس کوس ہے، دو گھنٹہ کا راستہ ہے، اور ریل بھی ہے، پھر میں نے کہا کہ رائے بریلی ایک چھوٹا شہر ہے، اور غریب خانہ خاص شہر میں بھی نہیں ہے بلکہ ایک مقام تکیہ ایک میل کے فاصلے پر ہے، اس میں ہے، کہنے لگے آپ تکیہ کے رہنے والے ہیں، میں نے عرض کیا جی ہاں۔ کہنے لگے وہ ایک محلہ ہے۔ میں نے کہا سوادِ شہر میں ہے، محلہ کے طور پر نہیں ہے کہنے لگے بڑی بستی ہے، میں نے کہا نہیں، ہمیں لوگوں کے کچھ مکانات ہیں، کہنے لگے پچاس ساٹھ آدمی ہوں گے، میں نے کہا کل برادری غالباً اتنی ہوگی، لیکن اب جو تکیہ پر رہتے ہیں وہ دس بارہ سے زیادہ نہ ہوں گے۔ کہنے لگے ایک صاحب پہلے آئے تھے، میاں عرفان حضرت سیّد صاحب کے بھائی کے نواسے میں نے عرض کیا وہ سیّد صاحب کے نواسے ہیں، اور اُن کے بھائی کے پوتے، فرمایا کہ حضرت کے اولاد صلبی بھی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، دو صاحبزادیاں تھیں، بڑی صاحبزادی کے جو بیٹے تھے وہ میرے پھوپھا تھے، ان کا انتقال ہوگیا، دوسری صاحبزادی کے تین بیٹے ہیں، مولوی عرفان صاحب اور ان کے بھائی، اسی طور پر کچھ دیر خاندان کے نسبت کچھ باتیں کرتے رہے، پھر اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر تشریف لائے، کھانا آیا۔ ہم سب نے کھانا کھایا، پھر نماز کی تیاریاں ہوئیں، مسجد گئے، مولوی صاحب کے صاحبزادے بھی آئے، ایک صوف کا سیاہ چوغہ اور ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، پھر مولوی صاحب تشریف لائے، ایک شامی سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اور دوہرے انگرکھے کے اوپر ایک فاختئی رنگ کا بانات کا کوٹ پہنے ہوئے، جس کے اطراف طلائی لیس دو انگل کی ٹکی ہوئی اور لیس کے اوپر انگریزی کلابتو کا نہایت عمدہ کام اور آستینوں میں ترنج بنے ہوئے جب مسجد آئے تو لوگ کھڑے ہونے لگے، فرمایا بیٹھے رہو، اگر اوّل صف میں ایک جگہ جانماز پر چوتھی بھی ہوئی تھی، بیٹھ گئے۔ سنت پڑھ کر خود ہی خطبہ پڑھا، مولٰنا محمد اسمٰعیل کا جمع کیا ہوا۔ اس کے بعد وہی چوتھی میں امام کے مصلے پر بچھادی گئی، اس پر نماز پڑھائی، اس کے بعد سنتیں پڑھ کر کمرے میں آئے، باہر کے کمرے میں چارپائی بچھادی گئی تھی، اس پر لیٹ گئے، اور ملنے والے اس کے گرد فرش پر بیٹھ گئے، ہم بھی

www.abulhasanalinadwi.org

جاکر بیٹھے، لوگ اپنی اپنی عرض معروض کرتے رہے، وہ لیئے ہوئے تسبیح پڑھتے جاتے تھے، بھائی جی نے بیعت کی استدعا کی، سلسلۂ احمدیہ میں، فرمایا شاہ عبدالخالق صاحب آپ سے قریب ہیں، ان سے بیعت کیجیے وہ سلسلہ احمدیہ میں بیعت لیں گے۔ میں سلسلۂ چشت میں بیعت لیتا ہوں اور میرے یہاں کچھ بے نہیں، آپ کو کچھ فائدہ نہ ہوگا، بھائی جی نے کہا میں دخول سلسلہ چاہتا ہوں فرمایا کہ لوگ بیعت کرنے کے بعد پھر کچھ اور آرزو کرتے ہیں، تو مجھ کو شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے، شاہ عبدالخالق صاحب شاہ احمد سعید صاحب کے سلسلۂ احمدیہ میں ہیں، ان سے بیعت کیجیے، بھائی جی نے کہا میں سلسلۂ احمدیہ میں حضرت سید صاحب کے سلسلہ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، فرمایا کہ البتہ اُن کے سلسلہ میں داخل تو کر سکتا ہوں، ہمارے بڑے میاں صاحب سید صاحب کے مرید تھے، اس کا میں ذمہ دار ہوں کہ اس سلسلہ میں آپ داخل ہو جائیں گے، لیکن اور کچھ فائدہ نہ ہوگا، میرا کام پڑھنا پڑھانا ہے، اگر آپ کو صرف دخول سلسلہ مقصود ہو تو بہتر ہے۔ بعد نماز عصر کے، لیکن استخارہ کر لیجیے بھائی جی نے کہا میں استخارہ کر چکا ہوں، فرمایا کہ پھر دو رکعت نماز پڑھ کر دعائے استخارہ پڑھیے۔ اس کے بعد میں اٹھ آیا، عصر کے بعد پھر حاضر ہوا، خود بدولت اندر کے کمرے میں تھے، میں اور بھائی جی باہر کے کمرہ میں، بیٹھے دیکھ کر بھائی جی کو اشارہ کیا، آیئے، وہ اندر گئے، اور مجھ سے کہا، آپ وہیں بیٹھیے، میں بیٹھا رہا۔ لیکن بسبب قرب گفتگو سب سنتا جاتا تھا، پہلے بیعت کے مسئلہ پر گفتگو کی، اس کے اقسام اور احکام کا نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا، اور غرض وغایت اس کی بیان کی، پھر خانوادوں کا ذکر کیا، ان کے اختلاف کا بیان کیا، پھر خطبۂ مسنونہ پڑھ کر بیعت مسنونہ لی، اور توبہ کرائی، اس کے بعد ذکر تلقین کیا، جب سب مراتب طے ہو گئے تو مجھ کو بلایا، میں اندر گیا۔

سید صاحب کا تذکرہ مولانا گنگوہی کی زبان سے

فرمایا سب مشائخ طیب امت ہیں اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اعتبار سے طُرق انھوں نے رکھے ہیں، سب کا مآل ایک ہے، اور سب کا خلاصہ اتباعِ سنت ہے، بعد کے لوگوں نے بدعتیں داخل کر دی تھیں، ان کے مجدد حضرت سید صاحب ہوئے۔ جس سے جس کو عقیدت ہو اس کے طریقہ میں وہ داخل ہو جائے، فائدہ ہوگا، پھر فرمایا کہ مجھ کو حضرت سید صاحب کے ساتھ محبت و عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے پیر شاہ عبدالعزیز صاحب سے بڑھ کر ہیں، باقی

www.abulhasanalinadwi.org

خدا جانے کون بڑھ کر ہے، لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی آتا ہے۔ میں اپنے قلب کا مختار نہیں ہوں، یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ پھر میں کہتا ہوں، اللہ تو ہی جانے میں مجبور ہوں۔ شاہ صاحب کے پہلے سے اس خاندان میں اتباعِ سنت تھا۔ مگر حضرت نے نہایت درجہ کو اتباع کیا، ہندوستان میں نور پھیلا دیا، علماء کہتے ہیں کہ وہی کتابیں پہلے تھیں، وہی اب بھی ہیں، لیکن اب خدا جانے کیا بات ہو گئی ہے، جو ان کی صحبت میں ایک گھڑی بیٹھا اس میں وہی رنگ آگیا، جس میں زیادہ اتباع ہو وہی ولی کامل ہے میرا تو عقیدہ یہی ہے کہ سید صاحب اپنے پیر سے بڑھ کر ہیں، ان کے دیکھنے والوں میں سے بہت کم لوگوں سے ملا ہوں، لیکن انبہٹہ میں ایک حاجی صاحب تھے، تھے تو کم استعداد، لیکن ان کی عجیب حالت تھی، ان کی صحبت میں بہت رہا ہوں، میرے دادا پیر میاں جی نور محمد صاحب حضرت کے مرید تھے، اور ان کے پیر حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب بھی سید صاحب کے مرید تھے، یہ دو طریقے حضرت کے سلسلہ کے ہیں۔ مجھ کو سب سے زیادہ حضرت سے محبت و عقیدت ہے، میں اپنے قلب سے مجبور ہوں، یہ اللہ ہی کی طرف سے کوئی بات ہے اس کے بعد اور لوگ آگئے، اور اپنی اپنی غرض معروض کرنے لگے، ہم اُٹھ آئے۔

حکیم مولوی مسعود احمد صاحب

وہاں سے اُٹھ کر حکیم مولوی مسعود احمد صاحب سے ملنے گئے، انھوں نے نہایت اعزاز و اکرام سے بٹھایا، حالات پوچھتے رہے، فرمایا کہ مولوی ابوالقاسم صاحب سے آپ سے کیا قرابت ہے، کل حضرت نے بعد مغرب کے مجھ سے فرمایا تھا کہ مولوی ابوالقاسم صاحب کے بھائی آئے ہیں، اس کے بعد بھائی جی نے کچھ اپنی علالتوں کا حال بیان کیا۔ یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہوئی، سب اُٹھ گئے۔

مولانا کے معمولات و حالات

مغرب کی نماز کے بعد پھر مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اندر کے کمرے میں تھے، کچھ لوگ باہر بیٹھے تھے، وہیں بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد کھانا آیا، کھانا کھا کر قیام گاہ پر واپس آیا۔ یہاں تک کہ عشا کی اذان ہوئی، نماز کے واسطے مسجد گیا، نماز کے بعد پھر واپس آیا مولوی صاحب بھی نماز پڑھا کر چلے آئے، اب اندر کمرے کے ہیں۔ مولوی صاحب کے اوقات جن کے ہمیشہ وہ پابند ہیں یہ ہیں کہ بعد نماز صبح کے حجرے میں چلے جاتے ہیں، اشراق کے بعد خطوط ملاحظہ فرماتے ہیں۔ خطوط کے دو حصے کیے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو احباب کے ہیں، جن میں خیر و عافیت ہوتی ہے، یا خیریت دریافت کی جاتی ہے، ان کے جواب

www.abulhasanalinadwi.org

اُسی وقت تحریر فرماتے ہیں، آٹھ بجے کے بعد درس شروع ہوتا ہے۔ ۱۱ بجے تک اس میں مصروف رہتے ہیں، اس کے بعد کھانا تناول کرکے قیلولہ کرتے ہیں، پھر ظہر کی نماز پڑھتے ہیں، نماز کے بعد خطوط کا دوسرا حصّہ یعنی وہ خطوط جو بطور استفتار کے ہوتے ہیں، ملاحظہ فرماتے ہیں، اور اُن کے جوابات لکھتے ہیں، دو بجے کے بعد پھر درس شروع ہوتا ہے، اس میں چار بجے تک مصروف رہتے ہیں، چار بجے عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔ پھر باہر نشست فرماتے ہیں اور عام طور پر لوگوں سے ملتے ہیں جس کو جو کچھ کہنا سننا ہوتا ہے وہ کہتا ہے اور خود بدولت سنتے ہیں مغرب تک، مغرب کی نماز کے بعد پھر اندر بیٹھتے ہیں، خاص خاص لوگ اس وقت بھی حاضر ہو سکتے ہیں، مولوی صاحب کا یہ بھی دستور ہے کہ اوقاتِ درس میں کسی سے گفتگو نہیں فرماتے، آج کل بیماری کی وجہ سے درس موقوف ہے، اس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب بقیۃ السلف ہیں، اُن کا وجود مغتنمات میں سے ہے، اس تورع و استقامت کا دوسرا شخص ان کے سوا اس زمانہ عالم آشوب میں نظر نہیں آتا، علم الٰہی میں جو کوئی ہو اس کی خبر نہیں، مولوی صاحب کے اوصاف میں سب سے بڑا وصف تورع ہے، جو تمام اوصاف کو شامل ہے، کفِ لسان اور صدقِ گفتار میں مولوی صاحب ضرب المثل ہیں، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے صدقہ میں اس روسیاہ کے حال پر رحم فرمائے، اس کے دل کی تاریکی دور ہو، اور کسی قدر چاشنی احسان کی عطا فرمائی جائے۔

الٰهي عبدك العاصي اتاكا
مقرا بالذنوب وقد دعاكا

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥

شاہا ز کرم بر من درویش نگر
بر حال من خستہ و دل ریش نگر
ہر چند نیم لائق بخشائش تو
بر من منگر بر کرم خویش نگر

روز یکشنبہ سیزدہم شعبان

آج بہت سویرے آنکھ کھلی، کواڑے کھول کر جو دیکھا تو ابھی رات باقی تھی، اور پڑھنے کی آواز آ رہی تھی خیال

www.abulhasanalinadwi.org

جو کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت تلاوت فرما رہے ہیں، یا تہجد میں قرآن پڑھتے ہوں، یہ قاصر الہمت پھر آکر لیٹ رہا۔ کچھ دیر کے بعد اذان ہوئی، اٹھ کر پاخانہ گیا، وہاں سے آکر وضو کر کے جماعت میں شریک ہوا بعد نماز کے حضرت مولوی صاحب کے کمرے میں گیا، وہ اندر تھے، کچھ لوگ باہر تھے، یہ روسیاہ باہر ہی بیٹھ گیا، اور اپنی شامتِ اعمال اور خبث باطنی کے انجام کی فکر کرنے لگا، افسوس وصد ہزار افسوس عمر طبعی کا ایک ربع اس بطالت اور بیہودگی میں گذرا کہ باوجود مسلمانوں کے بدنام کرنے کے اب تک ایمان خالص اور اسلام کامل کا ایک حصہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ بوالہوسی حد سے زیادہ ہے، اور کام کچھ ہو نہیں سکتا، حب جاہ و پراگندگی باطن ہر وقت مسلط رہتی ہے، دیکھیے انجام کیا ہو، ع

سالیکہ نکوست از بہارش پیداست

جس کی ابتدا بگڑ گئی ہو اس کے انجام کا خدا حافظ ہے، یہ بھی ایک شامت ہے، کہ ان بزرگوں کی خدمت میں پہنچ کر اپنی بے استعدادی کی وجہ سے فیض سے محروم رہے، ع

زمین شور سنبل بر نیارد

جب قلب میں صلاحیت ہی نہ ہو تو کیا تاثیر ہو سکتی ہے، یہ بھی ایک شامت ہے کہ ان بزرگوں کی خدمت میں پہنچ کر پھر صحبت سے محروم رہ جائے، اے اللہ اے ہادی، اے مرشد، تو ہی اس بے بہرہ کی دستگیری فرما۔ اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا راد لما قضیت استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔

سید صاحب کی صحبت کے اثرات

تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا سلمہم اللہ تعالیٰ برآمد ہوئے اور گھر تشریف لے گئے۔ بھائی جی کا ارادہ آج ہی روانگی کا ہے اور یہ روسیاہ بھی ان کی رفاقت میں آج ہی جانے والا ہے، اس وجہ سے بڑھ کر عرض کیا کہ میں رخصت ہونا چاہتا ہوں، فرمایا کھانا کھا کر جانا، پھر دوبارہ عرض کرنا داخل گستاخی سمجھ کر چپ ہو گیا، اس کے بعد بعض بزرگ وہیں بیٹھ گئے، یہ خاکسار بھی بیٹھ گیا، سید صاحب کے فضائل و خصائص بیان کرنے لگے، ان میں سے ایک نے کہا کہ سب فضیلتیں ایک طرف اور یہ فضیلت ایک طرف ہے کہ سید صاحب کے مریدوں میں ان کا رنگ ایسا جم جاتا تھا کہ کسی طرح اس میں تغیر نہیں آتا تھا، بلا کی تاثیر تھی، ایک مرتبہ جس نے ان کی صحبت حاصل کر لی وہ پھر انہی کا دم بھرنے

www.abulhasanalinadwi.org

لگتا تھا مرد تو مرد عورتیں تک جنھوں نے سوا ایک بار کے کبھی ان کی زیارت نہیں کی وہ ایسی پختہ ہو جاتی تھیں کہ پھر کسی طرح اپنے خیالات سے نہیں ٹلتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ میری والدہ سیّد صاحب کی مرید تھیں لیکن اس طور پر کہ نانوتہ جب سیّد صاحب تشریف لے گئے اور عورتوں نے مرید ہونا چاہا تو ایک مکان میں وہ سب جمع کر دی گئیں، سیّد صاحب تشریف لائے، دروازہ سے پگڑی پھینک دی، سبھوں نے اس کو پکڑ لیا، اور توبہ کر لی، ان عورتوں پر اچھی طرح وعظ و پند کا اثر نہیں پڑ سکا، لیکن باوجود اس کے میری والدہ عقائدِ صحیحہ پر ایسی پختہ تھیں کہ ان پر کسی کا جادو نہ چل سکا، پیرزادوں میں اُن کی شادی ہوئی، اور گنگوہ کے پیرزادے نہایت سخت، وہ سب ایک طرف، بلکہ والد ایک طرف اور وہ ایک طرف لیکن اگر اثر پڑا ہے تو انہی کا دوسروں پر پڑا ہے، ان پر کسی کا اثر نہیں پڑا۔ یہ بھی بیان کیا کہ جب سیّد صاحب کاندھلہ تشریف لے گئے تو اس وقت مولوی ابوالحسن صاحب سن رسیدہ تھے، ان کے صاحبزادے مولوی نورالحسن آٹھ دس برس کے تھے، اور زیور پہنے ہوئے تھے، جب سیّد صاحب تشریف لائے تو صاحبزادہ صاحب آکر بیٹھ گئے، سیّد صاحب نے فرمایا، مولانا یہ کون ہیں، انھوں نے کہا بندہ زادہ، فرمایا یہ کیا پہنے ہوئے ہیں، کیا یہ جائز ہے، کچھ ایسی تقریر فرمائی کہ وہ شرمندہ ہوئے، اور اسی وقت انھوں نے اس کو اتروا ڈالا، عورتوں نے بہت دُندمچایا کہ یہ نئے مولوی کہاں سے آئے ہیں، ہمارے مولویوں نے کچھ نہیں منع کیا، اب نئی کتابیں بنی ہیں جو پہلے تھیں وہی اب بھی ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ ہم کو کیا ہو گیا تھا، اس قسم کے اور بھی قصص بیان کرتے رہے۔

اس کے بعد مولوی رشید احمد صاحب کا ذکر سب نے بیان کیا کہ اس شدّتِ مرض کی حالت میں بھی مولانا نے کبھی رخصت پر عمل نہیں کیا، مرض کی یہ حالت تھی کہ ذرا سی نقل و حرکت میں دست آجاتا تھا۔ کسی نے پیر چھوا اور حاجت ہوئی، کھڑے ہوئے اور دست آیا، دن بھر میں ستر ستر دست آتے تھے، مگر باوجود اس کے کبھی چارپائی یا کپڑے میں نہیں کیا۔ ہمیشہ چوکی پر تشریف لے جاتے تھے، حالانکہ اُٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے، لوگوں نے ہر چند سمجھایا مگر نہیں مانا، دوسرے کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ فرض ہمیشہ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے، جب لوگ زیادہ سمجھاتے تھے تو کہتے تھے کہ جب تک کھڑا ہوا جاتا ہے بیٹھ کر نہ پڑھوں گا، چاہے گر ہی کیوں نہ پڑوں، مرض سے ادھر افاقہ ہوا اور

www.abulhasanalinadwi.org

مسجد جانے لگے، تھوڑی دیر کے بعد مولانا گھر سے تشریف لائے۔ ہم لوگ جاکر پاس بیٹھے۔ نو بجے تک بیٹھے رہے، نو بجے کے بعد کھانا آیا، فرمایا کہ کھانا کھالو، کھانا کھاکر رخصت ہوئے۔

سہارن پور

مغرب کے بعد سہارن پور پہنچے۔ یہاں کے حساب سے سہارنپور اٹھارہ کوس ہے، لیکن ہمارے یہاں کے کوسوں سے دس کوس، یہاں کے اور وہاں کے کوسوں میں ڈیوڑھے کا فرق ہے، یہاں آئے تو ملّا عنایت اللہ صاحب نے کھانا تیار کر رکھا تھا، اثنائے طعام میں ان سے معلوم ہوا کہ ایک صاحب یہاں ہیں، جنھوں نے حال میں سیّد صاحب سے بیعت کی ہے۔ میں نے اُن کا نام بہت پوچھا مگر ملّا صاحب نے کہا، میں بتا نہیں سکتا۔

روز یکشنبہ چہاردہم شعبان

صبح کو اُٹھ کر میں نے مولوی نظام الدین سے اپنی آمد کی اطلاع کرائی، تھوڑی ہی دیر میں وہ اور حاجی فداحسین صاحب ملنے کو آئے۔ آخرالذکر مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کے مرید ہیں، مولانا نظام الدین سے معلوم ہوا کہ خط کا جواب ابھی نہیں آیا، لیکن بتحقیق معلوم ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب نگینہ میں ہیں، مجھ کو طولِ مسافت پر نہایت ہی افسوس ہوا، اور نیز اس وجہ سے کہ خرچ بھی چک گیا ہے۔ مگر چونکہ یہ سفر خاص مردانِ خدا کی تلاش میں کیا گیا ہے اس واسطے ضرور ہے کہ اُن سے بھی ملاقات کی جائے۔ خداوندِ عالم کارساز ہے، اس واسطے مصمّم ارادہ ہے کہ ایک دو روز کے واسطے نگینہ چلا جاؤں۔ بھائی جی سے بھی آج مفارقت ہوئی، وہ آگرہ گئے، آگرہ سے گوالیار اور وہاں سے اٹاوہ اور وہاں سے نہسوہ جائیں گے۔

دس بجے مولانا احمد علی صاحب ملنے کو تشریف لائے۔ یہ بزرگ حضرت سیّد ناروحی فداہ کے بڑے ارادتمندوں میں ہیں۔ ان سے مل کر بہت طبیعت خوش ہوئی، بڑے صالح اور بے تکلف، اس روسیاہ کے حال پر بڑی نوازش فرمائی۔

بارہ بجے نگینہ کے ارادہ سے اسٹیشن آیا، اور مشایعت میں مولوی نظام الدین صاحب بھی آئے، معلوم ہوا کہ دو بجے گاڑی جائے گی، اس لیے اسٹیشن سے مولوی نظام الدین صاحب کو میں نے رخصت کیا، اور میں نے مسجد جاکر نماز پڑھی، اور دو خط لکھ کر نہسوہ اور رائے بریلی روانہ کیے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے بعد ٹکٹ لیا ۱۱؍ نگینہ تک کرایہ ہوا۔ جس وقت گاڑی پر سوار ہونے کو چلا تو ایک صاحب گاڑی پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے آواز دی کہ یہاں آکر بیٹھیے میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی طالب العلم ہیں۔ اس رفاقت سے میری طبیعت بہت محظوظ ہوئی۔ وہیں جاکر بیٹھا، اور راستہ نہایت لطف کے ساتھ کٹا۔ یہ مدرسۂ دیوبند میں پڑھتے ہیں۔ اس مرتبہ صحاح ختم کرکے جاتے ہیں، نام ان کا مولوی مشیت اللہ برم پور کے سواد میں رہتے ہیں۔ ان سے بھی میں نے دیوبند کی کیفیت پوچھی۔

دیوبند کے مدرسین

پہلا میرا سوال یہ تھا کہ اب اساتذہ میں کون کون کس کس استعداد کے ہیں، اور کتابیں کیسی پڑھاتے ہیں، اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ سب میرے استاد ہیں۔ ہر آدمی اپنے استاد کی تعریف کرتا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ سارے مدرسہ میں ایک مولوی محمود حسن شیخ الہند صاحب تو ایسے ہیں کہ سب کتابیں اچھی طرح پڑھا سکتے ہیں خصوصاً دینیات میں تو اُن کا ایسا پایۂ عالی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں کم لوگ ہوں گے، باقی مدرسین برائے نام ہیں، مجبوراً طلبہ اُن کے سامنے کتاب کھولتے ہیں، پھر میں نے خاصۃً مولوی خلیل احمد (سہارنپوری) کے نسبت سوال کیا، انھوں نے کہا، میں کیا کہوں وہ کیسے ہیں بڑے متقی بڑے زاہد ہیں میں نے کہا یہ سب صحیح، پڑھانے میں کیسے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں نے کہہ دیا کہ مولوی محمود حسن صاحب کے سوا وہاں اس کام کا کوئی نہیں تاہم مولوی خلیل احمد ہوں یا حافظ احمد (ابن مولانا قاسمؒ) دینیات پڑھا لیتے ہیں، معقولات سے بالکل واسطہ نہیں، مولوی غلام رسول ولایتی معقولات پڑھاتے ہیں، لیکن اجنبیتِ زبان کی وجہ سے طلبہ کو معتدبہ فائدہ نہیں ہوتا، میرے خیال میں معقولات اس مدرسہ میں پڑھنا بے کار ہے۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے۔ میں نے کہا علم ادب میں کس کو مہارت ہے، کہنے لگے مدرسہ سے باہر مولانا ذوالفقار علی صاحب بڑے ماہر ادیب ہیں، اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو بھی بہت شوق ہے، وہ اکثر خارج از مدرسہ ادب ہی پڑھایا کرتے ہیں، اور مدرسین میں جو کچھ ہیں مولوی محمود حسن صاحب ہیں، محدث ہیں تو وہ ہیں، فقیہ ہیں تو وہ ہیں بہرحال اب آج مدرسہ کی کائنات وہی ہیں۔

مدرسۂ دیوبند کے بعض اختلافات

دوسرا میرا سوال یہ تھا کہ مدرسہ کے بارے میں نزاع اہل شہر کی کیا وجہ ہے، انھوں نے کہا کہ اس کی وجہ بجائے خود لوگوں

نے جو کچھ خیال کیا ہو، مگر اصل یہ ہے کہ حاجی محمد عابد صاحب کی رائے یہ ہے کہ مدرسہ کی حالت درست کی جائے، دس بارہ مدرس جو اس وقت ہیں، ان سب کو چھانٹ کر دو تین لائق فائق مدرس بلا کر رکھے جائیں، جتنا بار مدرسہ پر ان لوگوں کی تنخواہوں کا ہے، اس میں دو بڑے لائق فائق مدرس مل سکتے ہیں، اور مولوی محمود حسن صاحب بجائے خود رہیں، لیکن مولوی محمود حسن کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی موقوف کیا گیا تو پہلے میرا استعفا ہے، گو حاجی محمد عابد صاحب اربابِ شوریٰ میں داخل ہیں، مگر ایک نہیں چلتی، اس واسطے اہلِ شہر نے در پردہ منشی فضلِ حق کے شورش مچا رکھی ہے، بلکہ طالب علموں میں خود شورش ہو رہی ہے، اسی امتحان میں دو طالب العلم مدرسہ سے نکالے گئے ہیں، ایک اس جرم میں کہ اس نے کچھ گستاخی کی تھی، مہتمم جس وقت پرچوں کی نگرانی کے واسطے اس کی طرف کئی بار آئے گئے تو اُس نے کہا امتحان کے وقت تو یہ نگرانی کرتے ہو، پڑھاتے وقت کبھی نگرانی کو نہیں آئے کہ مدرسین کیسا پڑھا رہے ہیں، دوسرے نے پرچۂ امتحان میں بڑی بیہودہ گوئی کی تھی، بہر حال اس قسم کی شورشیں ہیں، حالانکہ اب جو بنائے فساد قرار دی گئی ہے، یعنی منشی فضل حق کی حمایت، وہ بڑی پوچ اور لچر ہے، منشی فضل حق مہتمم سابق نہایت خائن تھا، اب تک باون روپے کئی آنے اُس کے نیچے دبے ہوئے ہیں، مگر ع

جیلہ جو را بہانۂ بسیار

شورش تو پہلے ہی سے تھی موقع کے منتظر تھے، موقع بھی ہاتھ آگیا۔

قاضی محمد اسمٰعیل صاحب

لندھورہ کے اسٹیشن پر جب ہم پہنچے تو انھوں نے کہا کہ منگلور یہاں سے تین میل ہے، وہاں قاضی محمد اسمٰعیل صاحب بہت بڑے درویش گذرے ہیں۔ دو چار اُن کی کرامتیں بھی بیان کیں، میں نے کہا کہ اُن کے صاحبزادے کی کیا کیفیت ہے، انھوں نے کہا کہ اپنے والد کے زمانہ میں نہایت خراب حالت میں تھے، بڑے شوقین تھے، اُن کے والد ہمیشہ ان سے ناخوش رہتے تھے، لوگوں نے انتقال کے وقت خلافت کے بارے میں کہا بھی کہ کس کو آپ خلیفہ کرتے ہیں، اس کے جواب میں کہا کہ جس کو اللہ چاہے گا وہ خود ہو رہے گا ان کے انتقال فرماتے ہی اُن کا ایسا رنگ بدل گیا کہ ایسا بدلتے کہیں نہیں دیکھا، اب بڑے اچھے اوقات ہیں، ریاضاتِ شاقہ کرتے ہیں، قلتِ منام و طعام کے بڑے معتاد ہیں، مجھ کو

www.abulhasanalinadwi.org

یقین نہ ہوتا مگر میں نے خود تجربہ کیا ہے، کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے، عجیب حالت ہے، اُمید ہے کہ یہ بہت جلد کچھ ہو جائیں گے، قصہ مختصر برم پور کے اسٹیشن پر وہ رفیق سفر اتر گئے، اور فقیر دو اسٹیشن آگے بڑھ کر نگینہ کے اسٹیشن پر اترا، اور سرائے میں آکر ٹھہر گیا۔

روز دوشنبہ پانزدہم شعبان

سہارنپور میں مولوی نظام الدین نے یہ کہہ دیا تھا کہ حضرت میاں صاحب نگینہ میں حافظ عبدالکریم صاحب کے مکان پر فروکش ہوں گے مگر کل رات ہو جانے کی وجہ سے میں نے حافظ صاحب کا مکان تلاش نہیں کیا، آج صبح اُٹھ کر میں پوچھتا ہوا حافظ صاحب کے مکان پر آیا، آتے ہی معلوم ہوا کہ میاں صاحب پرسوں یہاں سے بنگلہ تشریف لے گئے ہیں، اور بنگلہ یہاں سے اٹھارہ کوس ہے، اور غالباً بنگلہ میں بھی نہ ہوں گے دارانگر گنج گئے ہوں گے کیونکہ فرماتے تھے کہ بنگلہ میں دو روز سے زیادہ ہم نہ ٹھہریں گے، اور دارانگر یہاں سے بیس کوس ہے راستہ بھی صاف ہے، بجنور تک تحکم جاتی ہے، وہاں سے پانچ کوس دارانگر ہے یکے برابر چلے جاتے ہیں، مجھ کو اب نہایت تشویش ہے کہ اب کیا کرنا چاہیئے، سفر کی طوالت کی یہ حالت اور خرچ کی تنگی کی وہ کیفیت، رمضان المبارک کو صرف پندرہ روز باقی ہیں، سفر کے جلد ختم کرنے کا مصمم عزم ہے لیکن بغیر ملاقات کیئے ہوئے جانا اور بھی قابلِ افسوس ہے کہ اس قدر صعوبت بھی برداشت کی، اور ملاقات حاصل نہ ہوئی، بہرحال اُن سے اب مل ہی لینا ضرور ہے، حافظ عبدالکریم صاحب گو مصر اس بات پر ہیں کہ میں نگینہ میں کچھ دن قیام کروں، لیکن یہ اُن کی حُسنِ ارادت کی بات ہے، قطعی رائے ان کی یہ ہے کہ دو چار دن کے بعد دارانگر جانا چاہیئے۔ اُمید ہے کہ میاں صاحب وہاں ضرور مل جائیں گے، میرا دل سفر سے ایسا برداشتہ ہے کہ میں چاہتا ہوں آج ہی دارانگر چلا جاؤں، مگر حافظ صاحب نے آدمی کو بھیج کر اسباب اُٹھوا منگایا، اور بطریق تنزل مصر اس پر ہیں کہ آج کسی طرح نہ جاؤ، خاطر میزبان عزیز ہے، میں نے بھی ارادہ فسخ کیا، خدا کو منظور ہے توکل علی الصباح تحکم پر بجنور اور بجنور سے یکہ پر دارانگر جاؤں گا۔ پھر جو اللہ کو منظور ہو۔

سیّد صاحب کے فیوض

حافظ عبدالکریم صاحب بہت نیک سن رسیدہ آدمی ہیں، پچیس برس ہوئے انھوں نے میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، کہتے ہیں کہ ایک دن میاں صاحب فرماتے تھے کہ حضرت امیرالمومنین میں ایسا تصرف

www.abulhasanalinadwi.org

تھا کہ ایک صحبت میں اندرونی کیفیت متغیر ہو جاتی تھی۔ چنانچہ جس وقت میں نے بیعت کی ہے اسی وقت مجھ پر اپنا وجود منکشف ہو گیا۔ میں نے اپنے وجود کو دیکھ لیا، اور دو چار دن کے بعد جس وقت دل میں نظر ڈالتا تھا، سید صاحب ہی سید صاحب نظر آتے تھے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے میاں صاحب سے جب سے بیعت کی ہے، کبھی شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کا اتفاق نہیں ہوا ہے کہ کوئی کام دھوکے سے بدعت کا کر لیا ہو، پھر بعد کو معلوم ہوا ہو کہ بدعت ہے، اور ندامت اٹھانی پڑی ہو۔ پہلے میں مجلسِ مولد میں احیاناً شریک ہو جاتا تھا، مگر قیام نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ میں اپنے مکان کے بالا خانہ پر سو رہا تھا، اس زمانہ میں آٹھ پنجابی آئے ہوئے تھے، وہ مولود پڑھتے تھے، اور سب مل کر نعتیہ غزلیں اور قصائد پڑھتے تھے، دو بجے شب کو میری آنکھ کھل گئی، اس وقت وہ لوگ محلہ میں مولود میں خسرو کی غزل پڑھ رہے تھے۔ مجھ کو اس وقت اس کے سننے سے نہایت رقت ہوئی، اور دل میں میں نے خیال کیا کہ جس چیز سے قلب کی ایسی حالت ہو اس کے کرنے میں بظاہر بہتری معلوم ہوتی ہے۔ اسی فکر میں آنکھ لگ گئی، دیکھتا کیا ہوں کہ میں مدینہ پہنچا ہوں اور روضۂ منورہ کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے اندر جانے کی فکر میں سب کھڑے ہیں۔ میں نے روضۂ منورہ کے دروازے پر حاضر ہو کر دستک دی، ایک شخص نے کواڑے کھولے، مگر نیم باز اور مجھ کو اندر لے لیا۔ ان سب لوگوں نے گھسنے کا ارادہ کیا، مگر اس بزرگ نے دروازہ جلد بند کر لیا، میں نے اُن سے کہا کہ ان کو بھی اندر لے لو، کہا ان کے آنے کا حکم نہیں ہے، یہ لوگ متبدع ہیں، حضرت کی مرضی مولد میں نہیں ہے۔ اس کے بعد مجھ سے کہا، اس دریچے میں جا کر ہاتھ بڑھاؤ، مصافحہ ہو جائے گا، مجھ پر اس وقت عجیب حالت طاری تھی، میں روتا جاتا تھا اور آگے بڑھتا جاتا تھا، آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھایا تو مجھ کو مصافحہ نصیب ہوا، میں اس وقت سلام پڑھتا جاتا تھا، اور آگے کہا حضرت کچھ ارشاد فرمائیے، فرمایا توحید پر قائم رہو، اور اتباعِ سنت جہاں تک ہو سکے کرتے رہو، میں نے کہا، حضرت کچھ لوگ باہر کھڑے ہیں، اندر آنے کے مشتاق ہیں، فرمایا کہ ہم ان سے ناخوش ہیں، یہ لوگ متبدع ہیں، مجالسِ مولد کرتے ہیں۔ گو اظہارِ عشق کرتے ہیں، مگر ہماری مرضی مجالسِ مولد کی نہیں ہے۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ جب ایسے شخص سے کوئی ملتا ہے تو کچھ نذر کرتا ہے، جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک چونی ملی، میں نے چاہا کہ اس کو وہیں رکھ دوں، لیکن پھر دل میں خیال آیا کہ یہ صورت چڑھاوے کی ہے، اس واسطے میں آتے وقت اُن بزرگ سے جنھوں نے

www.abulhasanalinadwi.org

دروازہ کھولا تھا، کہا کہ یہ آپ قبول کریں، انھوں نے انکار کیا اور کہا مجھے اس کی حاجت نہیں ہیں نے کہا مجھ سے لے لیجیے، پھر آپ چاہیں کسی کو دے دیں، میرے اصرار سے انھوں نے لے لیا، اور میں باہر آیا، اس کے بعد حالت مجھ پر ایسی طاری ہوئی کہ آنکھ کھل گئی، حافظ صاحب اس فقیر سے قسمیہ بیان کرتے تھے کہ رات کو چونی میرے جیب میں تھی۔ صبح کو جو دیکھا تو نہیں تھی، میں نے اپنے گھر میں دریافت کیا، انھوں نے قسم کھائی کہ میں نے نہیں نکالی۔

اس کے بعد کچھ سید صاحب کے ظہور وحیات کا ذکر ہوا، اس پر انھوں نے ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا، وہ کہتے تھے کہ یہیں نگینہ میں ایک خاں صاحب رہتے تھے بڑے آزاد مزاج مگر نہایت سچے اور اپنی کمائی کا کھانا کھاتے تھے، ساٹھ ستر برس کی ان کی عمر تھی، ایک دن میں مسجد میں تھا وہ بھی تھے اکیلے مجھ سے کہتے تھے کہ تم سچ سچ بتاؤ کس سلسلہ میں ہو، میں نے کہا کہ میں سید احمد صاحب قدس اللہ سرہ کے طریقہ میں مرید ہوں۔ یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے، مجھ سے نہایت محبت کے ساتھ معانقہ کیا، اور کہا کہ تم کو دیکھ کر پہلے ہی میری طبیعت راغب ہوتی تھی، میں نے کہا حضرت آپ کس کے مرید ہیں؟ کہنے لگے، حضرت سید صاحب کے، میں نے کہا کہ آپ کی عمر ایسی نہیں ہے جس پر ایسا گمان ہو، کہنے لگے کہ میری بیعت کا عجیب قصہ ہے، میں ٹونک گیا ہوا تھا، ایک دن طبیعت گھبرائی، شہر کے باہر نکل گیا، مغرب کے وقت بناس میں نماز کے واسطے وضو کرنے لگا، اتنے میں پانچ آدمی اور آئے اور انھوں نے بھی وضو کیا۔ وضو کر کے نماز پڑھنے لگے، میں بھی شریک ہو گیا، اس نماز میں مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی جس کو ہرگز بیان ہی نہیں کر سکتا، میں نہیں جانتا کہ اس محویت میں، میں نے رکوع اور سجدہ کس طور پر ادا کیا، جب نماز ہو چکی تو میں نے پیش امام سے آگے بڑھ کر پوچھا کہ حضرت آپ کہاں کے رہنے والے ہیں، فرمایا کہ رائے بریلی کے، میں نے پوچھا کہ آپ کا اسم شریف، کہنے لگے تم کو اس سے کچھ مطلب ہے، میں نے کہا حضرت فرمائیے تو سہی، فرمایا سید احمد، میں نے کہا کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا ٹونک میں محمد یعقوب[۳۸] کے ہاتھ پر بیعت کرو۔

میں وہاں سے چلا آیا، اور پوچھتا ہوا میاں محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں گیا، اس وقت تک میں سید صاحب کے حالات نہیں جانتا تھا، نہ میاں محمد یعقوب صاحب سے مجھ کو نیاز حاصل تھا، مجھ کو اس زمانہ تک بیعت کا بھی کبھی خیال نہیں ہوتا تھا، نماز تو البتہ پڑھ لیتا تھا، جب میں نے

www.abulhasanalinadwi.org

میاں صاحب کے پاس آکر بیعت کی استدعا کی تو انھوں نے فرمایا کہ تم یہاں تک کیوں کر آئے، اور مجھ سے کیوں کر واقف ہوئے، اس وقت یہ قصہ مفصل بیان کیا، اس وقت وہ سن کر نہایت بے تاب ہو گئے اور فرمایا کہ وہ حضرت امیر المومنین سید احمد ہیں، اور ان کے حالات شرح وبسط سے بیان کیے۔ اور کہا تم نے بڑی غلطی کی، جو اُن سے بیعت نہ کی، اب اگر ایسا اتفاق ہو تو ان سے فوراً بیعت کر لینا، اگر تمہاری قسمت نے یاوری نہ کی تو خیر تمھیں اختیار ہے، یہیں آکر مرید ہو جانا۔ میں اُن کے حالات سن کر بہت پچھتایا اور پھر اسی جگہ اسی وقت آنے لگا، حسنِ اتفاق سے اگلے دن کی طرح پھر مجھ کو ملازمت نصیب ہو گئی، اس وقت میں اُن کے قدموں میں گر پڑا، میں نے کہا کہ اب مجھ کو بیعت کر ہی لیجیے، آپ مسکرائے اور مجھ کو مرید کیا، اور فرمایا کہ ایک ضرورت سے ہم یہاں آئے تھے وہ ہو گئی اب دوسری جگہ جاتے ہیں۔

حافظ صاحب اس قصہ کو بیان کر کے کہنے لگے کہ ناقل اس قصہ کے بہت سچے آدمی تھے کبھی ان کی عادت جھوٹ بولنے کی نہ تھی، لیکن کہنے لگے کہ ایک صاحب مولوی عبداللہ صاحب مرحوم نامی یہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر رہتے تھے۔ اسی برس کی عمر تھی، بڑے بزرگ تھے۔ جمعہ کے دن پیادہ پا نماز کے واسطے شہر آتے تھے، حضرت سید صاحب کے مرید تھے، اور غزا میں آخر تک شریک رہے تھے، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ سید صاحب شہید ہوئے ہیں، میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے شہید ہوتے دیکھا ہے، انھوں نے کہا نہیں، لیکن اختتام جنگ کے دوسرے دن عام طور پر یہ خبر مشہور ہوئی تھی کہ حضرت امیر المومنین بھی شہید ہو گئے اور بسیار میں دفن کیے گئے، اتنا مجھ کو خوب معلوم ہے کہ سید صاحب کی ران مبارک میں گولی لگی تھی، لوگ آپ کو اٹھا کر ایک ٹیکرے پر لائے، اور پتھر پر ٹیکا دیا۔

حضرت مولانا سید احمد اور مولانا اسمٰعیل کی شہادت کے متعلق بعض بیانات

اس کے بعد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے میدان جنگ میں جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس لڑائی میں ہماری فتح نہیں ہے، آپ نہ جائیے، آپ کے جہاد لسانی سے انشاء اللہ تعالیٰ بندگانِ خدا کو بہت فائدہ پہنچے گا، مولوی صاحب نے ہاتھ جوڑ کر فرمایا کہ یہ سر تصدق کرنے کو

www.abulhasanalinadwi.org

لایا ہوں، آپ مجھ کو اجازت ہی دیجیے، سیّد صاحب خاموش ہو گئے۔ اور مولٰنا میدان میں گئے، ایک گولی آپ کے انگوٹھے میں لگی، انگوٹھا کٹ گیا، آپ پھر تشریف لائے سیّد صاحب نے پھر منع فرمایا، مگر مولانا نے پھر الحاح وزاری سے اجازت مانگی اور تشریف لے گئے، مجھے یاد ہے کہ تین مرتبہ سیّد صاحب نے روکا، آخر کو مولانا اسمٰعیل صاحب کی پیشانی پر ایک زخم کاری لگا، اور آپ شہید ہوئے، اس وقت میدانِ کارزار ایسا گرم تھا کہ کوئی کسی کو نہیں پوچھتا تھا۔ سب لوگ منتشر ہو چلے، اس ٹیکرے پر سے ہمارا جب گذر ہوا تو سیّد صاحب نہیں تھے، دوسرے دن معلوم ہوا کہ آپ شہید ہوئے، اور پسار میں دفن کیے گئے، کسی لڑکے نے آپ کی نعش مبارک پہچانی تھی۔

حافظ صاحب کہتے ہیں کہ سہسوارہ میں مولوی محمد حسین صاحب ایک بزرگ سیّد صاحب کے مریدوں میں تھے، پچھلے دنوں میں ان کا انتقال ہوا ہے، وہ بھی غزا میں شریک تھے۔ ان سے یہیں ایک صاحب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ میرے ہاتھ پر قرآن شریف رکھ دو، سیّد صاحب شہید نہیں ہوئے، غائب ہو گئے ہیں، اور پھر تشریف لائیں گے۔

آج سارے دن ہم نگینہ میں رہے، اور حافظ صاحب سے اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ ان سے میں نے پوچھا کہ میاں صاحب کے سلوک کا کیا طریقہ ہے کہا کہ صرف ذکر لسانی کے طور پر بارہ تسبیح کی تلقین فرماتے ہیں، لیکن اس کے استعمال اور مداومت سے خود بخود انوار و برکات نمایاں ہوتے۔ توجہ ڈالنے کی ان کی عادت نہیں ہے، وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ مجھ کو نہیں آتا، اتباعِ سنت اور مضم نفس پر دارومدار طریقہ کا ہے، حبِ جاہ سے گھبراتے ہیں مشیخت کی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ بے تکلفی سے جو دعوت کرتا ہے اس کو قبول فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ دعوت تھی، آپ کے ساتھ کچھ مریدین بھی تھے، اُن میں سے ایک نے ایک ٹکڑا روٹی کا کتے کے سامنے ڈال دیا، حضرت بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ اس نے تمھاری دعوت کی تھی، یہ تم نے کس کی اجازت سے ٹکڑا اس کے سامنے ڈال دیا، تم دعوت کرنے والے سے معافی مانگو اسی طور مریدوں کی بھیڑ بھاڑ میں آگے چلنے سے منع کرتے ہیں۔ اندھیری رات میں چپکے اٹھے اور مسجد چلے گئے، لالٹین ساتھ ہونے اور مریدوں کے پیچھے چلنے سے بہت گھبراتے ہیں نگینہ میں اُن کے مرید بہت ہیں اور قاضی محمد اسمٰعیل صاحب کے مرید بہت ہیں، ان بزرگوں نے اس روسیاہ کے آنے کی جب خبر سنی تو

www.abulhasanalinadwi.org

ملنے لوآئے، اور قیام کے بارے میں اصرار کرتے رہے، مگر عجلت کی وجہ سے قیام میسر نہیں ہو سکتا۔ کل ارادہ انشاء اللہ تعالیٰ روانگی کا ہے۔

قاضی محمد اسمٰعیل صاحب

قاضی محمد اسمٰعیل صاحب کا اس طرف بہت چرچا ہے، وہ مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی مصنف انوار محمدی کے مرید تھے، اور انھوں نے سات برس کی عمر میں حضرت امیر المؤمنین سے بیعت کی تھی۔ بعد نشوونما پانے کے پھر حضرت میاں جی نور محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ذکر و شغل کی تعلیم پائی،

سہارن پور کے اطراف و قصبات

اس وقت تک سہارن پور کے جس قدر قصبوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے، وہاں ہر فرد بشر کو سید صاحب کا دم بھرتے پایا۔ جو ہے ان کی محبت میں چور ہے، اور سب باتفاق کہتے ہیں کہ ہم کو ایمان و اسلام کی سیدھی راہ انہی سے ملی ہے، برائے نام ہم مسلمان تھے، جتنے مشائخ ہیں وہ سب اسی سلسلہ کو مقدم جانتے ہیں۔ میں نے فی عمری سید صاحب کا اتنا چرچا کہیں نہیں دیکھا۔ اس طرف کی مساجد عموماً آباد ہیں۔ ہر مسجد میں حمام گرم ہو رہے ہیں، ہر مسلمان کم از کم نماز و تلاوت کا ضرور شائق ہے میرے گمان میں ضلع سہارن پور کے اشرار ہماری طرف کے اخیار سے اچھے ہیں، اور اخیار کا کیا پوچھنا ہے، ان کی تو نظیر اس طرف نہیں ملتی، کسی رنگ میں ہیں، مگر خدا کی لو لگی ہوئی ہے، بے تکلف اور سچے دیندار مسلمان ہیں، مجلس وعظ معمور رہتی ہے۔ ابتدا سے انتہا تک نہایت شوق و رغبت کے ساتھ سنتے ہیں۔ ہماری طرف کے مسلمانوں کی طرح نہیں ہیں کہ سو میں ایک مجلس وعظ میں بیٹھا ہے، اور دل میں یہی خیال رہتا ہے کہ اب اٹھوں تب اٹھوں۔ اگر موقع پایا کھسک گئے، اور اگر واعظ کی مروت سے بیٹھے رہے تو دل میں دعائیں کر رہے کہ وعظ جلد ختم ہو، اکثر جھوٹا تکلف خمیر میں سما گیا ہے۔ بہرحال اللہ اپنے فضل سے ان کی ہدایت کرے، اور توفیق نیک بخشے۔ حافظ صاحب نے فقیر سے بعض اعمال خاندانی کی اجازت حاصل کی۔ مثل "قول الجمیل" "ذخیر المسالک" کی اور بھی اکثر لوگ مستفید ہوئے، ہر چند کہ یہ روسیاہ افادہ کے قابل نہیں ہے۔ شب کو نہایت آرام سے رہا۔

نگینہ سے دارانگر تک

روز سہ شنبہ شانزدہم شعبان۔ صبح کو اٹھ کر جلد جلد حافظ صاحب نے سویاں بھنوائیں اور چائے کا سامان کیا، اس سے فارغ ہو کر وہ اور بہت سے مخلصین شکرم تک آئے، مگر افسوس ہے کہ سواریاں جا چکی تھیں۔ اور ۸ بجے کی گاڑی پر

www.abulhasanalinadwi.org

میں نہ جاسکا۔ لیکن یہ معلوم ہوا کہ ایک شکرم بارہ بجے بھی چھوٹتی ہے، اس کے انتظار میں میں وہیں ٹھہر گیا۔ کیونکہ فی الجملہ یہاں سے شہر دور ہے، شہر واپس جاکر پھر آنا تکان سے خالی نہ تھا۔ حافظ صاحب کو میں نے اس حیلہ سے رخصت کیا کہ آپ شہر جائیے، اگر کوئی خاص دارانگر گنج تک ٹھہر جائے تو بھیج دیجیے، حافظ صاحب گئے، ایک شخص غلام مولیٰ نامی میرے پاس رہ گئے۔ یہ عطر پھولیل وغیرہ کے دوکاندار ہیں۔ بیچارے بارہ بجے تک میرے پاس بیٹھے رہے۔ میں نے کتنا کہا کہ آپ جاکر دوکان کھولیے، مگر حسن عقیدت کی وجہ سے نہ گئے۔ اور گئے تو ایک چھوٹے کنستر میں پھولیل اور ایک شیشی میں عطر لاکر پیش کیا میں نے ہر چند انکار کیا، مگر نہ مانے، میں سمجھتا تھا کہ اس سفر میں یہ سلامت نہیں رہ سکتی، ان کا بھی نقصان ہے اور میرے کام نہ آئے گا، مگر انھوں نے ایک بھی نہ سنی، مجبور ہوکر مجھے لینا پڑا۔ بارہ بجے جب شکرم روانہ ہوئی تو وہ رخصت ہوئے، بجنور تک شکرم کے چھ آنے پڑے۔

تین بجے بجنور پہنچے۔ نگینہ سے بجنور پندرہ کوس ہے، وہاں سے یکہ بارہ آنے پر دارانگر تک گیا۔ چلتے وقت حافظ صاحب نے نہایت اصرار کے ساتھ فرمایا کہ آپ میرے مکان پر ٹھہریے گا۔ ایک خط اپنے بھائی اور والد کے نام لکھ دیا تھا، ان کے والد خواجہ عبدالرحیم ابھی تک بقید حیات ہیں۔ بڑے بزرگ ہیں، شاہ احسان علی صاحب کے مرید ہیں، اور شاہ صاحب مولانا عبدالحیؒ صاحب کے خلیفہ تھے۔ (خلیفہ حضرت سید احمد بریلوی)

دارانگر

مغرب کے وقت دارانگر پہنچا۔ میرا قاعدہ ہے کہ اجنبی جگہ میں ہمیشہ سرائے میں ٹھہرتا ہوں، اس مرتبہ جو شامت آئی تو میں نے خیال کیا کہ حافظ صاحب نے بہت اصرار کیا ہے، اور ان کے والد ماجد بہت بزرگ آدمی ہیں۔ انہی کے یہاں ٹھہر جاؤں، اور نیز میں نے دارانگر کی جو حالت دیکھی تو مجھ کو گمان ہوا کہ اس ویران کدہ میں سرائے کیا ہوگی، اور نیز اتفاق سے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب یہاں کھڑے ہوئے ہیں، میں نے یکہ کو وہاں روک لیا، وہ خدا جانے کسی فکر و خیال میں تھے۔ کہنے لگے کہ مجھ سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ میں نے کہا کہ میاں صاحب سے ملنے آیا ہوں، کہنے لگے پھر میں کیا کروں، وہ یہاں ہیں نہیں جب آویں مل لینا میں نے کہا یہ خط آپ کے صاحبزادے نے دیا ہے، اس کو تو لے لیجیے، کہنے لگے میں ضعیف البصر ہوں، خط لے کر کیا کروں گا۔ میں نے کہا پڑھوا

www.abulhasanalinadwi.org

کر سن لیجیے، کہنے لگے ان باتوں سے کیا حاصل ؟ تم اپنا مطلب کہو، میرے یہاں ٹھہرنے کی جگہ کہاں ہے۔ مجھ کو اس پریشان تقریر سے اتنی ذلت وخفت ہوئی جو میں بیان نہیں کر سکتا، " نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن " حیران ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا، دو چار گنوار اکٹھے ہو گئے تھے، ایک کی زبان سے نکل گیا، یہاں سرائے بھی ہے، میں نے اس کو غنیمت کبریٰ سمجھا، فوراً یکہ سے اتر کر سرائے میں جا داخل ہوا، پھر خواجہ صاحب کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔

سرائے کی حالت ناگفتہ بہ، ایسی ویران، ایسی وحشتناک جس کا پایاں نہیں، چند جھونپڑیوں کا نام سرائے رکھ دیا گیا ہے، مگر یہ سچ ہے کہ اگر مصیبت خوشی سے برداشت کر لی جائے تو وہ مصیبت نہیں رہتی، اور اور ناخوشی اگر ظاہر کی جائے تو وہ اس سے ٹل نہیں سکتی، میں نے خوشی سے خیر مقدم کیا، اور اکیلا تاریکی میں ماندگی کی وجہ سے پڑا رہا، وہ حافظ صاحب کا خط جیب میں تھا، دل میں آتا تھا کہ اب یہ خط ان کو نہ دوں، نہ اپنے نام ونسب کا اظہار کروں، نہ ان کے معذرت مانگنے سے اُن کے مکان پر جاؤں، مگر مجبور ہوں اپنے اس کمبخت رقیق دل سے۔

عشا کے قریب خواجہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے سرائے میں آئے، اور خواجہ صاحب کی طرف سے معذرت کرنے لگے کہ ان کے ہوش وحواس کبر سنی کی وجہ سے بجا نہیں رہے، اور ابھی بیماری سے اُٹھے ہیں، طبیعت قابو میں نہیں ہے، آپ معاف کیجیے، میں نے کہا کہ درحقیقت ان کی خطا نہیں ہے، یہ واقعی قصور میرا ہے، خط آپ کے نام تھا، میں اُن کو کیوں دیتا تھا۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ میرا قصور ہے کہ میں بے وقت اُن کے مکان پر کیوں گیا تھا، بہرحال میں نے کہا کہ یہ خط آپ لے لیجیے اور مجھ کو ازراہِ عنایت یہیں رہنے دیجیے، مجھ کو یہیں آرام ہے۔ اور ایک عرض یہ بھی ہے کہ اس خط کے مضمون کا اظہار نہ فرمائیے گا، وہ اس تاریکی میں خط کیا دیکھتے، لے کر چلے گئے، تھوڑی دیر میں عشا کی نماز کو مسجد میں گیا، خواجہ صاحب بھی آ گئے، میرا دل کانپ اُٹھا، جب اس واجب التعظیم پیر مرد نے روندھی آواز میں کہا، مولوی صاحب میری گستاخی معاف کیجیے، میں نے فوراً اُٹھ کر مصافحہ کیا، اور نماز کے بعد ان کے ساتھ ان کے گھر گیا، وہ کھانا اور چائے لائے، میں نے قبول کیا، اور لطف یہ کہ سوا ان دو چار قاش سیوؤں کے میں نے اب تک کھانا نہ کھایا تھا۔ اور کھانا بھی چاہتا تو اس ویران کدہ میں کیا

www.abulhasanalinadwi.org

مل سکتا تھا، کھانا کھا کر پھر میں سرائے میں واپس آیا، اور اس تاریکی میں تنہا رات بسر کی، نہیں تنہائیوں، اختلاج خفقان، مفارقت احباب، تاریکی رفیق و مونس رہے، نعوذ باللہ من ذلک بڑا رفیق خدا ہے۔ اللہ معنا حیث ما کنا۔

روز چہار شنبہ ہفت وہم شعبان

کل تو مجھ کو اپنی تنہائی و پریشانی کی وجہ سے کچھ اس بات کا خیال نہیں ہوا، آج مجھ کو بڑا صدمہ اس بات کا ہے کہ جس سے ملنے آیا تھا وہ یہاں بھی نہیں ہیں۔ سہارن پور سے نگینہ آیا اور نگینہ سے بجنور، بجنور سے دارا نگر، اور سوء اتفاق یہ ہے کہ وہ بنگلہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، جو یہاں سے آٹھ کوس ہے، سہارنپور سے پانچ روپیہ کرایہ کر آیا تھا۔ تین خرچ ہو چکے ہیں، دو باقی ہیں۔ وہ صرف اس قدر ہیں کہ میں بدقت پھر سہارن پور پہنچ جاؤں۔ اب ارادہ یہی ہے کہ آج کا دن یہاں قیام کروں، اگر خرچ ہوتا تو خیر آنے کی لاج ہوتی کہ بنگلہ تک چلا جاتا، مگر اب مجبوری ہے۔ اگر وہ نہ آئے تو واپسی کے وقت جیسا کچھ صدمہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔

دوپہر کو خواجہ صاحب سرائے آئے، میں دریا کنارے چلا گیا تھا، واپس گئے، کئی مرتبہ اپنے بیٹے کو بھیجا، میں جو گیا تو پھر کھانا لا کر حاضر کیا، اور میں نے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر قبول کیا، ورنہ اس ویران کدہ میں سوا بھوکے رہنے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی جس قدر ضروریات ہیں وہ گنج میں جا کر پوری کرتے ہیں، جو یہاں سے کسی قدر قریب ہے، پھر خواجہ صاحب نے مکرر سہ کرر عفو تقصیر چاہی، اور مجھ کو نہایت دانش مندانہ نصیحتیں کیں، اور اپنے تجربہ کی باتیں بتائیں، کچھ ابتلا کے مقدمہ کا ذکر کر کے زمانہ کے نشیب و فراز سمجھائے۔ اس کا میں بہت شکر گذار ہوں، کھانا کھا کر میاں صاحب کا حال دریافت کرنے میں گنج چلا گیا، ان کے مریدوں نے جب سنا تو ٹڑی آ و بھگت کی، سب بیچارے دیہاتی اور کسان ہیں۔ وہ اس پر مصر ہوئے کہ آپ یہاں اٹھ آیئے، میں نے کہا شام تک رہنے دو، اس کے بعد تم کو اختیار ہے، لیکن اتنی مہربانی کرنا کہ جس وقت میاں صاحب آجائیں، اسی وقت اطلاع کرنا۔ آب و دانہ کی کشش دیکھیے کہ دن بھر ہم دارا نگر میں رہے، شام کا وقت ہے۔ ہم مغرب کی نماز پڑھ کر آئے، معلوم ہوا کہ گنج کے لوگ تم کو لینے آئے ہیں، ہر چند کہ خواجہ صاحب کے صاحبزادہ نے اس وقت کی بھی دعوت کی تھی، مگر رات کی تنہائی سے میں گنج

www.abulhasanalinadwi.org

کے جانے پر راضی ہوگیا، تاہم قطع حجت کے واسطے میں نے ان لوگوں سے کہا کہ تم خواجہ صاحب کے صاحبزادہ سے اجازت لے آؤ، تو میں چلوں، وہ جب پوچھ آئے تو میں اُن کے ساتھ گنج آیا، تب کو میاں نظام الدین صاحب جو مجھ کو سہارن پور میں ملے تھے، ان کے بھائی علاء الدین نے اپنے یہاں مہمان رکھا، شب بہت آرام سے بسر ہوئی۔

روز پنجشنبہ بستم شعبان

صبح کی نماز میں عبداللہ جھونجھ نے مجھ سے کہا کہ میرا تانگہ مکر پور تک جاتا ہے، وہاں سے بنگلہ تین کوس ہے، آپ کا جی چاہے تو چلے جائیے، میں نے بھی مناسب سمجھا اور مکر پور تک اس تانگہ پر آیا، وہاں سے تین کوس بنگلہ پیادہ پا دس بجے تک پہنچ گیا۔ بنگلہ رئیس مقام ہے، یہاں کے رئیس شیخ جلال الدین ہیں، ان کی کئی کوٹھیاں اور محلسرا بہت اچھی بنی ہوئی ہیں۔

میاں محمد حسین

ان کے یہاں میاں محمد حسین رحمہ اللہ صاحب مہمان تھے، میں جس وقت پہنچا تو وہ لیٹے ہوئے تھے۔ تحیۂ مسنونہ کے بعد میں نے ان ہاتھوں سے مصافحہ کیا جس نے بلاواسطہ ہمارے حضرت امیر المومنین سیدنا روح اللہ روحہ کے ہاتھوں سے مصافحہ کیا تھا، تعارف کے بعد مجھ سے فرمایا کہ آپ یہاں کیوں کر آئے، میں نے سب قصہ بیان کیا، بہت خوش ہوئے، کہنے لگے اچھا ہوا میں نے بھی آپ کو دیکھ لیا، میں نے پوچھا آپ کی کیا عمر ہے، کہا ایک سو دس برس کی ہو چکی ہے یہ گیارہواں سال ہے، میں نے کہا حضرت سید صاحب سے کہاں نیاز حاصل کیا تھا، فرمایا بگھرہ میں میرے بھائی مولوی علاء الدین صاحب کے پاس تشریف لائے تھے۔ میں نے کہا کے دن رہے تھے، فرمایا مجھے یاد نہیں کے دن رہے تھے، خاص غریب خانہ پر فروکش تھے، میں نے کہا کہ آپ کتنے دن ہمراہ رہے، کہا بہت دنوں، جنگ میں شریک تھا، بعد اختتام جنگ کے واپس آیا، سلطان محمد خاں نے جب دغا کی تھی میں وہیں تھا، لوگوں نے حضرت امیر المومنین کو بہت سمجھایا تھا کہ سلطان محمد خاں کو پشاور کا حاکم نہ کیجئے یہ افغان ہیں، دغا کریں گے۔ مگر سید صاحب نے اسی کو حاکم کر دیا، اس نے آخر دغا کی۔

میں نے کہا کہ حضرت سید صاحب کے ظہور و حیات کے بارے میں آپ کو کیا تحقیق ہے۔ فرمایا میرے خیال میں حضرت رحلت فرما چکے ہیں، ورنہ وہ اب تک ٹھہرتے نہیں، لیکن وہ شہید نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئے، اگر شہید ہوتے تو ہم ضرور دیکھتے، ہم کو معلوم ہوتا، اور ہم نے اپنے کانوں سے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ سب لوگ کہیں گے احمد انتقال کر گیا، لیکن احمد انشاء اللہ تعالیٰ پھر نکلے گا، اور کفار سے اس ملک کو پاک وصاف کرے گا۔ اسی وجہ سے کوئی سو آدمی پہاڑ پر منتظر ہیں، میں نے کہا کہ سید صاحب کے بیعت لینے کا کیا دستور تھا؟ فرمایا کہ خطبہ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد توبہ کراتے تھے۔ اور چاروں خانوادوں کا نام لیتے تھے، میں نے کہا کہ تلقینِ ذکر کا کیا دستور تھا، کہا کہ مجھ کو کبرسنی کی وجہ سے اب کچھ یاد نہیں رہا، میں نے کہا کہ حضرت میں بہت دور سے اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ جو کچھ آپ نے ہمارے حضرت سے حاصل کیا ہو، وہ مجھ کو عنایت فرمایئے۔ فرمایا کہ میں نے کچھ حاصل نہیں کیا، اور مجھے کچھ نہیں آتا، میں نے کہا کہ آپ حضرت کے خلیفہ ہیں، کہنے لگے خلافت نہیں دی، خلیفہ مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم تھے، میں نے کہا کہ آپ سلسلے میں لوگوں کو داخل کرتے ہیں۔ فرمایا کہ مجھ کو اسی قدر اجازت ہے کہ میں مرید کر لوں اور خدا کا نام سکھاؤں، میں نے اپنے مافی الضمیر کو کئی بار عرض کیا، مگر ہر بار مجھ کو ناکامی ہوئی ظاہری خاطر داری بہت کی، گھر میں کہلا بھیجا کہ ہمارے پیر کے صاحبزادے آئے ہیں، کھانا جلد آئے، افسوس ہے کہ اب کبرسنی کی وجہ سے بہت ہی مغلوب النسیان ہو گئے ہیں، دم بھر میں بات بھول جاتے ہیں، نقل وحرکت سے بھی معذور ہیں۔ چارپائی پر تیمم کے ساتھ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مگر سماعت وبینائی میں کچھ فرق نہیں ہے، بہت سچے اور مخلص آدمی ہیں۔ اپنے پیر کا دم بھرتے ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے پچاس ہزار آدمی ایک جگہ دیکھے، مگر اس شان کا آدمی نہیں دیکھا، جیسے حضرت تھے، اور کہنے لگے کہ دہلی میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے فرما دیا تھا کہ جس کو جو کچھ حاصل کرنا ہو وہ ان سے حاصل کرے۔ میرے پاس جو نعمت تھی وہ انھوں نے لے لی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے جب سنا تو وہ حاضر ہوئے، اور شکاربند جو اس وقت سے تھاما بس تو مرتے مرتے نہیں چھوڑا۔ راستہ میں حضرت فرماتے، مولانا خدا نے سواری دی ہے سوار ہو لو۔ بس جا کر سوار ہو جاتے۔ بیس قدم چل کر پھر اتر پڑتے اور شکاربند آکر پکڑ لیتے، پھر حضرت فرماتے مولانا منزلِ مقصود تک سوار چلو، ہاتھ باندھ کر عرض کرتے، حضرت اسمٰعیل کو اتنی بھی مفارقت گوارا نہیں۔ میاں صاحب کہنے لگے، ایک شخص نے کہا حضرت آپ کی عمر اور سید صاحب کی ایک ہے، فرمایا کہ عمر سید صاحب کی ہے، میری کیا عمر، میں ان کا غلام ہوں۔ اس لفظ

www.abulhasanalinadwi.org

کو مکرّر کہتے رہے، دن بھر میں انہی کی خدمت میں رہا، شب کو انہی کے قریب سویا، دو بجے شب کو میری آنکھ کھلی، دیکھا تو تہجد پڑھ رہے تھے۔

روز جمعہ نوزدہم شعبان

صبح سے واپسی کی فکر تھی، میاں محمد حسین صاحب بھی گنج آنے کو تھے، کھانا کھا کر تانگہ پر سوار ہوئے، میں نے اسباب تانگہ پر رکھ دیا، اور خیال کیا کہ اگر میں بھی سوار ہوں گا تو ان کو تکلیف ہوگی۔ تانگہ چھوٹا ہے اور اسباب بہت ہے، اس لیے کچھ دور تک اس کے ساتھ ساتھ پیادہ پا چلا، اس کے بعد میں نے خیال کیا کہ تانگہ بہت سست رفتار ہے، اس وجہ سے آگے بڑھ گیا، اور عصر کے بعد گنج بفضلہ تعالیٰ پہنچ گیا، پیر میں چھالے پڑ گئے آٹھ کوس کتنے ہی ہلکے ہوں، پھر بھی آٹھ کوس ہیں۔ سواری کے واسطے اسی وقت لوگوں سے کہہ دیا ہے، اگر خدا کو منظور ہے تو کل انشاء اللہ بھیلسہ جاؤں گا۔

مخلصین کی تواضع

روز شنبہ بستم شعبان۔ رات ہی سے لوگ مصر تھے کہ کل نہ جاؤ۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ دعوت کرے، یہ سیدھے سادے لوگ دعوت کو فرض عین سے کم نہیں سمجھتے، میں نے رات ہی سے سواری کا انتظام کیا، مگر ان لوگوں کی سازش سے سویرے سواری نہ آئی، اور خواہ مخواہ مجھے رہنا پڑا۔ صبح کو مولوی نظام الدین کے بڑے بھائی غلام محی الدین صاحب کے یہاں دعوت ہوئی۔ آج تمام دن تعویذ لکھتے گذرا، شام کو بعد مغرب کے میں نے وعظ کہا، اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا، اس وقت بھی انہی بزرگ کے یہاں دعوت تھی۔ ایک شخص گنگوہ کے جوان صالح قاضی زادہ یہاں پولس میں ملازم ہیں، نہایت نیک بخت، انھوں نے نہایت اخلاص کے ساتھ استدعا کی کہ اس وقت ان کی دعوت قبول کروں۔ مجھ کو ایسے بادیانت کی دعوت قبول کرنے میں کیا عذر تھا، لیکن مجبوری۔ صبح کو دوسرے صاحب کہہ چکے تھے، تاہم میں نے کہا کہ آپ ان سے اجازت لیں، اگر ان کو منظور ہو تو بہتر ہے، لیکن وہ صاحب راضی نہیں ہوئے، آخر اس بات پر رائے قرار پائی کہ صبح کو وہ ناشتہ دیں۔

میاں محمد حسین کی زبانی سیّد صاحب کے بعض حالات

رات کو میاں صاحب کی طبیعت درست تھی، سیّد صاحب کا ذکر کرنے لگے، کہا کہ میری بیعت کا یوں سامان ہوا کہ میری چچی نے خواب میں دیکھا کہ بحر ذخار میں کشتی

www.abulhasanalinadwi.org

چلی جا رہی ہے، اور آتے آتے اُن کے مکان کے پاس ٹھہر گئی، اس میں دو شخص بیٹھے ہوئے تھے ایک اُن میں سے اُترے، اور دوسرے کشتی کو لے کر واپس گئے، صبح کو اپنے بیٹے مولوی علاء الدین صاحب سے انھوں نے یہ خواب بیان کیا، مولوی صاحب نے کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ ایک شخص ظاہر ہوگا جو سردار ہوگا اور وہ یہاں بھی آئے گا، چند ہی روز میں سیّد صاحب کا شہرہ ہوا، اور وہ دہلی سے اُترے۔ مولوی علاء الدین صاحب نے اپنی والدہ سے کہا، لو اب تعبیر ظاہر ہوتی ہے، وہ سردار آتے ہیں، اُن سے یہ کہہ کر خود پیش قدمی کے طور پر آگے آگے گئے۔ راستہ میں جا کر ملے، اور حضرت کو لے کر گھر آئے، کچھ زیادہ آدمی اس وقت ساتھ نہیں تھے، سو سوا سو کے قریب ہوں گے سیّد صاحب میرے بالاخانہ پر ٹھہرے، اور شاید آٹھ دن رہے وہاں سے پھر بڑھانہ تشریف لے گئے۔ اب تک اس مکان میں برکت ہے۔ ایک جن میرے پاس آیا کرتا ہے۔ اُس کا نام ہے محمد یوسف۔ اسی بالاخانہ پر دراز کے راستہ گھس آیا تھا، کہنے لگا آپ کا غلام ہوں، میں نے کہا تم چلے جاؤ، مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا آپ ڈریے نہیں، میں تو آپ کا غلام ہوں۔ میں نے کہا، میں غلام نہیں رکھتا، تم جاؤ، یہ سب حضرت کی برکت ہے، جہاں جہاں حضرت کے قدم گئے ہیں وہاں وہاں برکت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ایک جگہ حضرت تشریف لے گئے۔ اس قصبہ میں نومسلموں کا محلہ پہلے ملتا تھا، اُنھوں نے حضرت کو روک لیا، قاضی کے محلہ تک نہ جانے دیا، اب خدا کی قدرت دیکھیے نومسلموں کا محلہ نہایت سرسبز ہے، اور وہ لوگ بہت خوش حال ہیں، اور قاضیوں کا محلہ ویران پڑا ہوا ہے۔

خواجہ شاہ محمد سلیمان

ایک مرتبہ سفر میں حضور تونسہ خواجہ شاہ محمد سلیمان صاحب کے پاس جانے لگے، اثنائے راہ میں دوراہا ملتا تھا، ایک راستہ تونسہ کو جاتا تھا، دوسرا عبد الغفور کو، حضرت سفید ٹانگھن پر سوار تھے، آپ نے تونسہ کی طرف ٹانگھن کا منہ پھیرا، اُس نے دوسرے راستہ کو اختیار کیا، پھر آپ نے تونسہ کے راستہ پر لگایا، بیس قدم چل کر پھر دوسرے راستہ پر ہو گیا آپ نے فرمایا مولانا! مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے کہا حضور! فرمایا کہ شاہ سلیمان میں کچھ کجی ہے، میرا ٹانگھن اُدھر رُخ نہیں کرتا، یہ کہہ کر عبد الغفور صاحب کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہ سلیمان صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسی وقت وہ عبد الغفور کی طرف چل کھڑے ہوئے، حضور جیسے ہی ٹانگھن سے اتر کر خیمہ میں گئے تھے کہ شاہ خواجہ

www.abulhasanalinadwi.org

محمد سلیمان پہنچے ۔ان کے مریدوں نے حضرت کے مریدوں سے اطلاع کی کہ شاہ صاحب سلام کو حاضر ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ہم سلام نہیں قبول کرتے، تھوڑی دیر میں پھر شاہ صاحب نے اطلاع کرائی کہ جس وجہ سے سلام نہیں قبول ہوتا اس سے توبہ کرکے حاضر ہوا ہوں، حضرت خیمہ سے باہر نکل آئے اور بغل گیر ہو کر اندر گئے، وہ بجی یہ تھی کہ شاہ صاحب روشن چوکی سنا کرتے تھے۔

حضرت سید صاحب کی ایک کرامت

ایک مرتبہ مولانا خیر الدین صاحب (شیرکوٹی) نے آکر حضور سے اطلاع کی کہ اب رسد نہیں ہے اور خزانہ میں روپیہ بھی نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا مولانا روپیہ آتا ہوگا، پھر فرمایا کہ میری ماٹھ سے تقسیم کرو، مولانا خیر الدین سن کر چپ ہو گئے، کہ ماٹھ میں کتنا ہوگا جس کی تقسیم کا حکم ہوا ہے، پھر فرمایا مولانا کیا دیر ہے، وہ چپ رہے، پھر آپ خود اُٹھے، فرمایا کیل لاؤ اور چادر ماٹھ کے منہ پر ڈھک دی، اور تقسیم شروع کی۔ چار دن برابر تقسیم جاری رہی، ایک کیل پکے سوا سیر کا تھا، چوتھے دن ماٹھ میں غلّہ باقی تھا، اور قبل تقسیم کے بھی صرف آدھی ماٹھ غلہ تیار تھا، میرے سامنے کا واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ جال کے درخت کے نیچے پیال پر ہم اور الٰہی بخش بڑھئی نگھرہ کا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بیٹھے گھنگھنیاں چبا رہے تھے، اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا حضور نے حکم دیا ہے کہ بالاکوٹ جلد توپ خانہ بھیجا جائے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مدار المہام تھے، یہ سنتے ہی جلد اُٹھے اور اُٹھ کر جھک کے ایک مٹھی گھنگھنیاں لے کر کھڑے ہونے لگے، جلدی کی وجہ سے گرے، ان کا گھٹنا زمین پر ٹک گیا، ہنس کر کہنے لگے، کھسر کر چاہے مسر کر، یار لوگ تو تجھ کو چھوڑیں گے نہیں، اور کھاتے ہوئے آگے چلے، اُدھر سے مولوی عبد اللہ صاحب آرہے تھے اُن کے ساتھ پانچ چھ اور آدمی تھے، کہا یہ کون جاتا ہے، لوگوں نے کہا مولانا محمد اسمٰعیل ہیں، کہنے لگے کیسے بے ادب ہیں، راستہ میں کھاتے ہوئے جاتے ہیں۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ مولوی صاحب اچھا ہے گواہی میں بندھے بندھے نہ پھریں گے، جب لوٹ کر آئے تو یاد نہیں ہم نے یا الٰہی بخش نے کہا مولانا آپ پر مولوی صاحب نے اعتراض کیا، آپ چپ ہو رہے، فرمایا کہ جاہلوں سے کون بھڑے، ہم نے کہا حضرت یہ تو مولوی ہیں، فرمایا گدھے پر کتابیں لاد دو، وہ مولوی تھوڑے ہو جاتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

سیّد صاحب کی زہر خورانی کا واقعہ

جب پشاور فتح ہوا تو پہلے تھانہ اور تحصیل قائم کردی گئی، اس کے بعد رائے یہ ہوئی کہ سلطان محمد خاں کو وہاں کا حاکم کردیا جائے، جن کی یہاں پہلے حکومت تھی، افغان سرداروں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے، یہ لوگ دغا کریں گے، مگر حضرت نے اسی کو پشاور کی حکومت عنایت فرمائی، اس دغاباز نے قبضہ پاکر حضرت کو مدعو کیا اور جو پیالہ حضرت کے سامنے آیا اس میں زہر ملا دیا، مگر حضرت نے حسب معمول اپنے پیالہ سے ایک قاش سب کو تقسیم کردیا، اور اس زہر کا اثر نہیں ہوسکا، دوسری بار گنڈیریوں میں زہر ملا کر دیا، تین گنڈیریاں کھائی ہوں گی کہ حالت متغیر ہوگئی۔ اس وقت افغانوں نے میان سے تلواریں نکال لیں، حضرت کے ساتھ اس وقت تین سو آدمی ہوں گے، وہ سب سرفروشی کرنے لگے، ایک فیلبان کے دل میں خدا نے ڈال دیا، اس نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ آپ کی شکست ہوگئی، مولوی صاحب کو بہت ناگوار ہوا اس نے پھر دوبارہ کہا، مولوی صاحب آپ کی شکست ہوگئی، سیّد صاحب کہاں ہیں، ان کو جلدی لے چلیے! مولوی صاحب یہ سن کر بہت برہم ہوئے، اس نے کہا آپ صاحبزادے ہیں، سیّد صاحب کو جلدی لائیے، یہ کہہ کر اس نے ہاتھی آگے بڑھایا اور کہا کہ سیّد صاحب کو اٹھادو، انھوں نے کہا کہ مجھ سے نہیں اٹھ سکتے، آخر کو ایک چادر بچھائی، اس میں حضرت کو بٹھا کر اوپر سے چادر کے گوشے برابر کرکے گرہ دے دی اور فیلبان نے ہاتھی کو ہولا دیا، اس نے سونڈ پر اس کو اٹھایا، اور فیلبان نے جھٹ عماری میں بٹھالیا، اور لے کر ہاتھی کو بھگایا، یہاں تک کہ پشاور سے باہر نکل آئے، اب خدا کی قدرت دیکھیے کہ سلطان محمد خاں کا خاندان نیست و نابود ہوگیا ہے اور اس فیلبان کی اولاد سرسبز برسرعروج ہے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ ہمارے حضرت کے ہاتھ پر جس نے بیعت کی وہ ولی ہے، جو ان کی صحبت میں بھی رہا ہے، اس کا درجہ کسی طرح اوتاد و ابدال سے کم نہیں ہے، حضرت کا ایسا تصرف تھا کہ جس نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی اسی وقت فنافی الوجود کا مرتبہ اس کو حاصل ہوجاتا تھا، تھوڑی دیر یا دو چار دن کے بعد استعداد کے موافق فنافی الشیخ ہوجاتا تھا۔

روز یکشنبہ بست و یکم شعبان

آج بھی کل کی طرح سواری منگانے میں لوگوں نے تعویق کی، اور میری طبیعت ایسی برداشتہ ہے کہ ایک دن کا قیام

www.abulhasanalinadwi.org

ایک سال معلوم ہوتا ہے، میں نے ہر چند سمجھایا، مگر کچھ خیال میں لوگوں کے نہیں آیا، کہتے ہیں کہ رمضان المبارک یہیں کرو، وہ قاضی زادہ گنگوہ کے رہنے والے ہیں جنھوں نے ناشتہ کی دعوت کی ہے اتفاق سے ناشتہ لے کر آ گئے اور مجھ کو مضطر دیکھ کر سواری لے آئے، وہاں سے آٹھ بجے میں روانہ ہوا، بہت دور تک لوگ مشایعت میں آئے۔

نگینہ

دس بجے بجنور پہنچا، اور ۱۱ بجے وہاں سے روانہ ہو کر پانچ بجے نگینہ میں داخل ہوا، جس وقت حافظ صاحب کے مکان پر آیا، دیکھا تو مجمع کثیر تھا، اکثر اہل علم بیٹھے ہیں، مجھ کو دیکھتے ہی کسی نے حافظ صاحب سے کہا کہ وہ واپس آ گئے، یہ سن کر حافظ صاحب اور تمام حاضرین سروقد کھڑے ہو گئے۔ مجھ کو نہایت ہی ندامت ہوئی۔ اس کے بعد حافظ صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ مولانا احمد حسن صاحب امروہی ہیں۔

مولانا احمد حسن صاحب

مجھ کو اس اتفاقیہ ملاقات پر عجب مسرت ہوئی، اور مولانا احمد حسن صاحب نے بھی نہایت اظہار مسرت کیا، اور اپنی اولوالعزمی کی وجہ سے اس انکسار و تواضع سے ملے کہ مجھ کو ویسے ہی شرمندگی ہوئی، جیسے دیوبند میں ہوئی تھی، مولوی صاحب نہایت وسیع الاخلاق، خندہ پیشانی، خوش رو و خوش پوشاک ہیں۔

چائے جب مولوی صاحب کے سامنے آئی تو انھوں نے میرے سامنے بڑھائی، میں نے معذرت کی، آخر الامر انکار اصرار کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ مولوی صاحب نے اس بات پر مجبور کر دیا کہ صرف ایک قاشق اس میں سے پی لوں، اس روسیاہ سیاہ کار نے پینے کو تو پی لیا، لیکن از بس شرمندگی و ندامت کی وجہ سے سرگرانی ہو گئی، کچھ دیر تک صحبت رہی، اس کے بعد مولوی صاحب رخصت ہوئے۔ یہ حضرت مدرسہ میں امتحان لینے کی غرض سے تشریف لائے ہیں۔ امتحان ہو چکا ہے، کل تشریف لے جائیں گے۔ اگر خیریت رہی تو کل ارادہ ہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کی قیام گاہ پر جاؤں گا۔ رات کو کھانا حافظ صاحب کے یہاں کھایا۔

روز دوشنبہ بست و دوئم شعبان

صبح کو حوائج ضروری سے جب فارغ ہوا تو مخلصین نے وعظ کی فرمائش کی۔ میں نے بھی مناسب سمجھا کہ شاید کسی کو عمل کی توفیق ہو جاوے تو اس روسیاہ کے واسطے وسیلۂ نجات ہوگا، وعظ سے فارغ ہو کر

بازدید کی غرض سے مولانا احمد حسن صاحب کی قیام گاہ پر گیا، مولانا نے اپنے اخلاقِ عمیمہ و علوئے حوصلہ کی وجہ سے اس روسیاہ کی ایسی توقیر کی جس کے قابل، یہ ناقابل نہ تھا۔ وہاں سے واپس آکر تھوڑی دیر قیام گاہ پر بیٹھا۔ اکثر ارادت مند ملنے کو آتے رہے۔

میاں نبو حجام ایک بزرگ میاں نبو حجام سیّد صاحب کے دیکھنے والوں میں بقیدِ حیات ہیں، وہ بھی سن کر آئے، ان سے معلوم ہوا کہ جب حضرت سیّدنا روح اللہ روحہ ولایت میں فروکش تھے، اس وقت ان کا ذکرِ خیر سن کر یہ حضرت وہاں پہنچے۔ اور مرید ہوئے، ان کے بھائی بھی گئے تھے وہ وہیں شہید ہوئے تین برس یہ جہاد میں شریک رہے، اس کے بعد گھر واپس آئے تھوڑی دیر یہ بیٹھے رہے، مجھ کو آئینہ دکھایا، اور کہا میں خدمت کو حاضر ہوا ہوں، مجھ سے خط بنوا لیجیے۔ مگر افسوس ہے کہ میں کل ہی خط بنوا چکا تھا، اس وجہ سے اس سعادت سے محروم رہا۔ میں نے کہا آپ مجاہد و غازی ہیں، میرے واسطے دعا کیجیے اور میرے تمام اعزہ کے واسطے، انھوں نے دعائیں دیں۔ پھر میں نے کہا کہ خاص خاص وقتوں میں دعائیں کرتے رہیے، اس کا وعدہ کیا اور رخصت ہوئے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے لوگ آتے رہے، سارا دن ملنے میں صرف ہوا، لوگوں کا از حد اصرار ہے کہ میں کچھ دن قیام کروں، مگر طبیعت میری ایسی برداشتہ ہے کہ باوجود ان کے اصرار اور اظہارِ محبت کے میں مجبور ہوں، دعوتوں کی یہ صورت ہے کہ اگر عرصہ تک میں قیام کروں تب بھی فارغ نہیں ہو سکتا۔ مجبور ہو کر میں نے کہہ دیا ہے کہ باخود ہا فیصلہ کر لیا جائے، چنانچہ صبح کو میاں عبد القیوم صاحب نے دعوت کی اور شام کو حافظ محمد زکریا صاحب نے کی ہے۔

نگینہ کی صنعت بعد نماز عصر کے اس شہر کی سیر کو نکلا، نہایت آباد اور پر رونق شہر ہے۔ یہاں کی دستکاری تمام ہندوستان میں مشہور ہے، آبنوس، صندل، ہاتھی دانت کا کام خوب ہوتا ہے۔ خصوصاً آبنوس کا کام یہاں سے مخصوص ہے، ایک صندوقچہ دو سو تک کا یہاں بنتا ہے۔ بعض بعض قلم دان، عطر دان، سنگار دان کتاب دان دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کنگھیاں مختلف قسموں کی یہاں بنتی ہیں۔ کچھ سامان تحفہ تحائف کے واسطے میں نے خرید لیا، اور مغرب کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر واپس آیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

روز سہ شنبہ بست وسیوم شعبان

آج دعوت میں عجیب جھگڑا ہوا کہ دو شخص متدعی اور مجھ کو بارہ بجے کی گاڑی سے روانہ ہونا ہے، اور وہ کسی طرح طے نہیں ہوتا۔ آخر کو میں نے دونوں جگہ تناول کیا۔ یہاں کے لوگوں نے جس کشادہ دلی سے میرا خیر مقدم کیا ہے، میں اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ ہر وقت انبوہ رہتا ہے۔ اور ہر شخص واسطہ ڈالتا ہے کہ کچھ دن قیام کرو، اور اگر رمضان یہیں کرو تو بہت ہی بہتر ہے۔ اور میری طبیعت نہایت برداشتہ ہے۔ بہر حال بارہ بجے سب کو رخصت چھوڑ کر میں اسٹیشن آیا، یہاں تک مشایعت میں حافظ عبدالکریم صاحب میرے میزبان کے بیٹے اور حافظ محمد زکریا صاحب اور ڈاکٹر مکارم حسین صاحب اور میاں غلام مولیٰ صاحب آئے۔ میں نے ٹکٹ کا روپیہ حافظ محمد زکریا صاحب کو دیا کہ سہارنپور تک ٹکٹ لے لو۔ ان بزرگ نے عجب چالاکی کی کہ صرف نجیب آباد کا ٹکٹ لیا، جب گاڑی پر ہم بیٹھ کے تو وہ ڈاکٹر صاحب بھی آکر بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ ہم بھی نجیب آباد تک مشایعت میں چلتے ہیں۔ پھر یہ صحبت خدا جانے کب نصیب ہوگی، راستہ میں مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا ٹکٹ بھی نجیب آباد تک کا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے دوستوں میں ہیں۔ مولوی نہال الدین صاحب اکبر آبادی اسسٹنٹ سرجن نجیب آباد، ان کے پاس مجھ کو لے جانا منظور ہے، کیونکہ میری روانگی کے بعد ان کو میرے نہ ملنے کا نہایت رنج ہوتا۔ اور ان لوگوں سے شکایت کرتے رہے۔ مجھ سے اس قدر ان لوگوں نے اصرار کیا کہ میں مجبور ہو کر راضی ہو گیا۔ نجیب آباد پہنچ کر ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی، بہت سنجیدہ متواضع وسیع الاخلاق ہیں، شفاخانہ ان کے قیام گاہ پر میں ٹھہرا ہوں۔ لوگ مصر ہیں کہ بعد نماز عشا کے وعظ بیان کیا جائے، میں نے قبول کر لیا ہے چنانچہ حسب قرارداد بعد نماز عشا کے میں نے بیان کیا۔ وہاں سے آکر کھانا کھایا، اور شب کو ڈاکٹر صاحب کے یہاں قیام کیا۔

نجیب آباد

یہ شہر نواب نجیب الدولہ کا آباد کیا ہوا ہے۔ بہت آباد شہر ہے۔ مسلمانوں کی آبادی کم ہے۔ ہندوؤں کی کثرت ہے، اور زیادہ سیٹھ اور مہاجن رہتے ہیں۔

وطن کی واپسی
روز چہار شنبہ وچہارم شعبان

چھ بجے کی گاڑی پر سہارن پور روانہ ہوا، اور بارہ بجے سہارن پور پہنچا۔ ابتدائے سفر سے مصمم قصد تھا کہ واپسی کے وقت پھلت اور علی گڑھ میں ضرور دو ایک روز قیام کروں گا، مگر نگینہ کے سفر

www.abulhasanalinadwi.org

میں اتنا وقت صرف ہوا، اور ماہ مبارک اس قدر قریب ہے کہ مجبوراً نہایت افسوس کے ساتھ وہ ارادہ ملتوی کیا گیا ہے، سہارن پور میں ملّا عنایت علی صاحب تھانہ دار کے مکان پر چار بجے تک قیام کیا۔ وہاں سے اسٹیشن آیا، اور غازی آباد تک ٹکٹ لیا، یہ کو ملا۔ غازی آباد دس بجے رات کو پہنچا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ گاڑی دوسرے دن دس بجے روانہ ہوگی، اس وجہ سے سرائے میں جاکر رات بھر رہا۔

روز پنجشنبہ بست و پنجم شعبان دس بجے غازی آباد سے روانہ ہوا، اور چھ بجے شام کو اٹاوہ پہنچا چونکہ بھائی صاحب[۴۳] سے پیشتر اقرار کیا تھا کہ موقع ہوگا تو ارادہ میں ایک دو روز ضرور قیام کروں۔ اس وجہ سے اسٹیشن سے یکہ کرکے ان کی فرودگاہ پہنچا، اتفاق سے بھائی جی (مولوی سید خلیل الدین صاحب) بھی یہاں مل گئے، اور لطف یہ کہ جس گاڑی سے میں اترا ہوں اسی پر ان کا ارادہ روانگی کا تھا، اتفاق سے رہ گئے تھے، اب کیا عجب ہے کہ پھر مکان تک میرا ان کا ساتھ ہو جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اشاریہ

صفحہ نمبر	حوالہ نمبر	
۳۰	۱	سید ظہور الاسلام۔ فتح پور کے ممتاز علما میں سے تھے۔
〃	۲	نور محمد۔ فتح پور کے مدرسۂ اسلامیہ میں مدرسِ اوّل تھے۔ بڑے پایہ کے عالم ہوئے ہیں۔
〃	۳	"بھائی جی" سے مولوی خلیل الدین رائے بریلوی مراد ہیں۔
۳۲	۴	ایک حدیث کی سند جو رسولِ اکرمؐ سے متواتر چلی آتی ہے۔ اور تبرکاً لوگ اس کی سند حاصل کرتے ہیں۔
〃	۵	مفتی یوسف، فرنگی محل لکھنؤ میں نوابوں کے دور میں مفتی تھے۔ اپنے زمانے کے مشہور علما میں شمار کیے جاتے ہیں۔
۳۷	۶	حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادی
〃	۷	مولانا فضل حق خیر آبادی، معقولات کے مشہور علما میں شمار کیے جاتے تھے دہلی میں سرشتہ دار تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

صفحہ نمبر	حوالہ نمبر	
۴۲	۵	حضرت قاسم بن محمد ابی بکرؓ حضرت سلمان فارسی
۴۳	۶	مولانا نذیر حسین ۹/۲ مولانا شاہ محمد اسحاق، نواسہ شاہ عبدالعزیز
۴۴	۷	حضرت مجدد الف ثانی کے خاندان کا ایک حصہ دہلی آکر آباد ہوگیا تھا جس میں شاہ عبدالغنی غدر کے بعد ہجرت کرکے حجاز چلے گئے تھے۔ صاحبزادہ صاحب سے مراد شاہ ابوالخیر ہیں۔
۴۴	۸	ولایتی سے افغانی مراد ہے
۵۰	۱۲	حضرت مولانا شاہ عبدالسلام بنسویؒ (خلیفہ شاہ احمد سعید دہلوی)
۵۳	۱۳	مولوی سید نذیر حسین دہلوی مشہور تھے، مگر ان کا اصل وطن سورج گڑھ ضلع مونگیر صوبہ بہار تھا۔
۵۶	۱۴	اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں احناف اور اہل حدیث کے تعلقات کتنے کشیدہ تھے۔
۶۶	۱۵	یہ مزار بستی نظام الدین اولیا میں حضرت سلطان جی کے مزار کے جنوبی مغربی فاصلہ پر ہے۔
۶۹	۱۶	قاری عبدالرحمان پانی پتی مشہور ہیں۔ وہ شاہ محمد اسحاق کے شاگرد تھے بہت سے علما نے آپ سے حدیث پڑھی اور قرأت سیکھی اس سفر کے دو سال بعد وفات ہوئی۔
۷۰	۱۷	قاضی ثناء اللہ پانی پتی شاگرد ولی اللہؒ
۷۰	۱۸	مولوی عبدالقیوم مفتی ریاست بھوپال، مولانا شاہ عبدالحی ہریانوی کے صاحبزادہ تھے ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی۔
۷۲	۱۹	سلسلۂ صابریہ چشتیہ کے مشہور شیخ جلال الدین پانی پتی کے خلیفہ (حضرت شیخ جلال الدین حضرت علاء الدین صابر کلیری کے خلیفۂ اعظم تھے)

www.abulhasanalinadwi.org

صفحہ نمبر	حوالہ نمبر	
۷۲	۲۰	مولوی غوث علی بہار کے تھے
۷۴	۲۱	یہ کابل کے افغان امرا اور سلاطین کے مزار ہیں
۷۵	۲۲	حضرت مجدّد کے فرزند وخلیفہ
۷۷	۲۳	توکل شاہ اپنے زمانے کے ایک بڑے نقش بندی بزرگ تھے۔ مزاج میں جذب واستغراق تھا۔ غالباً حضرت قادر بخش سے اجازت وخلافت تھی ان کا مزار ہوشیار پور میں کوٹ عبدالخالق میں ہے۔
۸۷	۲۴	شاگرد شاہ رفیع الدین صاحب
۸۸	۲۵	شاہ عبدالعزیز کے معاصر ادیب وشاعر تھے تحفۃ الیمن ان کی مشہور کتاب ہے۔
۸۸	۲۶	'افق المبین' میر باقر داماد کے فلسفے کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔
۸۹	۲۷	"خیالی" پر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ
۹۰	۲۸	مولانا شاہ عبدالحئی بڑھانوی۔ داماد شاہ عبدالعزیز
۹۰	۲۹	سید احمد بریلویؒ سے مرید ہو چکے تھے۔
۹۱	۳۰	مولانا ذوالفقار علی شیخ الہند کے والد بزرگوار
۹۲	۳۱	مولوی حافظ محمد احمد بن مولانا قاسم، مہتمم دارالعلوم دیوبند
۹۲	۳۲	مولانا احمد حسن امروہوی، مولانا قاسم کے شاگردِ خاص
۹۳	۳۳	حضرت سید احمد شہید نے ۱۲۴۶ ھ میں بالاکوٹ (سرحد) پر جب سکھوں کا مقابلہ کیا اور مجاہدین کو شکست ہوئی اور مولانا اسمٰعیل شہید ہو گئے اس وقت سید صاحب کے شاگردوں میں دو گروہ ہو گئے تھے ایک کا خیال تھا کہ سید صاحب شہید ہو گئے دوسرے کا خیال تھا کہ وہ مخفی ہو گئے۔
۹۵	۳۴	مولانا سید ابوالقاسم ہنسوی۔ جو صاحب کتاب (حکیم عبدالحئیؒ) کے ماموں زاد

صفحہ نمبر	حوالہ نمبر	
		بھائی ہوئے۔
۹۷	۳۵ھ	تکیہ سے مراد دائرہ شاہ عَلَم اللہ رائے بریلی ہے۔ جو حضرت شاہ صاحب شہید کا وطن تھا۔
۱۰۰	۳۶ھ	سہارنپور کی آبادی تک
۱۰۱	۳۷ھ	مولانا عارف ہنسوی کے والد مرحوم
۱۱۴	۳۸ھ	سید محمد یعقوب حضرت سید احمد کے بھتیجے تھے۔ یعنی بڑے بھائی سید محمد ابراہیم کے صاحبزادے۔
۱۲۱	۳۹ھ	میاں محمد حسین نواح مظفر نگر کے باشندہ اور سید احمدؒ کے مرید تھے۔
۱۲۱	۴۰ھ	سلطان محمد خاں۔ حاکم پشاور جس نے پہلے حضرت سید شاہ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور پشاور کی حکومت کا پروانہ حاصل کیا پھر سازش کر کے سید صاحب کے عمال و حکام کو شہید کروا دیا۔
۱۲۶	۴۱ھ	زہر خورانی کا واقعہ جنگ شیدا کے موقع پر پیش آیا تھا جو پشاور کی فتح سے۔ بہت پہلے کا واقعہ ہے (بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب)
۱۲۷	۴۲ھ	مولانا احمد حسن امروہوی مولانا قاسمؒ کے خاص تلامذہ میں تھے اور امروہہ کے مدرسہ میں مدرسِ اوّل تھے۔
۱۳۰	۴۳ھ	سید محمد نعیم، مصنف مرحوم کے رشتے میں بھائی اور بہنوئی تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org